تاریخِ اسلام

جلد ۳



فصیح

اکابرِ ملّت کے زرّیں خیالات

۱۔ سر محمّد اقبال

میرے نزدیک یہ رسالہ نہایت مفید ہے اور ہر مسلمان کو اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ عام مسلمانوں میں اخلاقِ حسنہ پیدا کرنے کیلئے اس سے اچھا ذریعہ اور کوئی نہیں کہ اس قسم کے تاریخی رسالے شائع کئے جائیں جن سے اُن کو اسلاف کے حالات معلوم ہوں اور انکے طرزِ عمل کا ان پر اثر پڑے قوموں کی بیداری کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کو اپنی تاریخ سے کہاں تک دلچسپی ہے آپ کے رسالے کی اشاعت سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمان کہاں تک اپنے اسلاف کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

حالاتِ موجودہ کے مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں عام طور پر ایک قسم کی قومی بیداری پیدا ہوگئی ہے۔ اور تاریخی مضامین کو نہایت توجہ سے سنا جاتا ہے۔ اس واسطے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا رسالہ برمحل نکلا ہے اور ہماری ضروریاتِ موجودہ کا کفیل ہوگا۔ خود مجھ پر جو اثر اس کے مطالعے سے ہوتا ہے، اس کا اظہار میں اس سے بہتر الفاظ میں نہیں کر سکتا کہ لیسا اوقات دورانِ مطالعہ میں چشم پُرآب ہوجاتا ہوں اور اس کا اثر میرے دل پر کئی کئی دن تک رہتا ہے۔ خدا کرے، کوئی مسلمان گھر اس رسالے سے خالی نہ رہے۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
اقبال

تاریخ اسلام

جلد ۳

تالیف
غلام قادر فصیح

مکتبہ فصیح لاہور
۱۹۴۷ء
شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور
طبع جدید بار دوم
قیمت عہ


ARABIC
SECTION
20632

عرضِ حال

۱۔ یہ مفید سلسلہ اس غرض سے شروع کیا گیا ہے کہ اہلِ اسلام کو اپنی عجیب و غریب، حیرت انگیز اور بے نظیر تاریخ سے واقفیت پیدا ہو۔ جس سے وہ تقریباً ناآشنا ہو گئے ہیں اور یہ نہایت ہی قابلِ افسوس بات ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں سے میں نے تبرکاً صرف پانچ واقعات انتخاب کرلئے ہیں۔ اس سے آگے خلیفۂ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت سے واقعات مسلسل قلمبند کئے ہیں۔

۳۔ مختلف روایات کا مقابلہ کرنے کے بعد واقعات حتی الامکان نہایت صحت کے ساتھ درج کئے ہیں اور مندرجۂ ذیل تاریخیں پیشِ نظر رہی ہیں:۔

۱۔ تاریخ طبری

۲۔ تاریخ واقدی۔

۳۔ تاریخ اہلِ عرب مصنفۂ سید امیر علی جو تاریخ ابن اثیر، ابنِ ہشام اور دیگر تواریخ سے ماخوذ ہے۔

۴۔ مؤرخین کی تاریخ عالم

۵۔ عروج و زوالِ سلطنتِ روما مصنفہ ایڈورڈ گبن

۶۔ اہلِ عرب مصنفہ آرتھر گلمن۔

۷۔ تاریخِ اہلِ عرب مصنفہ سائمن اوکلے۔

۸۔ تاریخِ عرب مصنفہ اینڈریو کرکٹن۔

۹۔ محمد اور اُن کے جانشین مصنفہ واشنگٹن اِرونگ۔

۱۰۔ تاریخ و فتوحاتِ اہلِ عرب مصنفہ ای قریمین۔

۱۱۔ محمدی خاندان مصنفہ سٹینلے لین پول۔

۱۲۔ پرشیا مصنفہ ڈبلیو تحمین۔

۱۳۔ خلافت، اس کا عروج و زوال و ہبوط مصنفہ ڈبلیو میور

۱۴۔ مطالعۂ اسلام مصنفہ جان پول۔

۱۵۔ محمدی مذہب مصنفہ بی اسمتھ۔

۱۶۔ اسپرٹ اوف اسلام مصنفہ سید امیر علی

وغیرہ

۴۔ واقعات کی ترتیب میں مؤرخین کا جزوی اختلاف ہے، مگر حالات و نتائج پر سب متفق ہیں۔ جو ترتیب میں نے ملحوظ رکھی ہے میرے نزدیک وہی بہتر ہے۔

تصحیح

فہرست مضامین

تشکر

مکتبۂ تصحیح ڈاکٹر سر محمد اقبال کا از حد ممنون ہے۔ کہ آپ نے ازرہِ کرم اپنی شہرۂ آفاق فارسی مثنوی "رموزِ بیخودی" سے "اخوتِ اسلامیہ" تاریخ اسلام، جلد سوم میں نقل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

کھجوریں تک میسر تھیں نہ جنکو پیٹ بھرنے کو
یہ اللہ کے مجاہد تھے چلے تھے جنگ کرنے کو

- حفیظ

إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا
مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا
مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝

(الجزء ۱۰، سورۃ الانفال، آیۃ ۶۵)

اگر تم (مسلمانوں) میں ثابت قدم رہنے والے بیس بھی
ہونگے، (تو وہ) دو سَو (منکروں) پر غالب رہیں گے
اور اگر تم (مسلمانوں) میں سے (ایسے) سَو ہونگے، تو ہزار
منکروں پر غالب رہیں گے، کیونکہ یہ (منکر) ایسے لوگ
ہیں، جو (اجر عاقبت کو) سمجھتے ہی نہیں (کہ اس کے لئے
جان دینے میں مضائقہ نہ کریں)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ا۔ محاصرۂ حلب

دوسرے دن ابوعبیدہؓ نے لشکر کو حکم دیا کہ قلعہ حلب پر حملہ کریں۔ چار طرف سے اسلامی لشکر قلعے کی طرف بڑھا۔ پہلے تو قلعے والے خاموش رہے۔ مگر جونہی اہل اسلام اُن کی زد میں آئے، ایک دم اُن پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ جس سے کسی کے سر میں زخم آیا۔ کسی کے بازو میں، کسی کی ٹانگ میں۔ اہل اسلام نے اُس دن بڑی مصیبت اُٹھائی۔ اور خستہ حالت میں پسپا ہوئے ابوعبیدہؓ نے کہا: "آج تم بڑی بے احتیاطی اور کوتہ اندیشی سے لڑے اسی وجہ سے اتنی تکلیف پہنچی۔ دشمن سے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیئے۔ اور اُس کے فریب میں نہیں آنا چاہیئے۔ تم دشمن کو خاموش دیکھ کر بے تحاشا آگے بڑھے چلے گئے۔ اُس نے موقع پاکر تمہیں زخمی کر دیا۔ اب زخم باندھو۔ جو شہید ہوئے ہیں اُنہیں دفن کرو اور آئندہ کے لئے یہ سبق یاد رکھو۔ واقعی حلب کا حاکم بڑا چالاک اور ہوشیار ہے۔ اس سے ہر وقت ہوشیار رہنا

لازمی ہے"۔

اُدھر یوقنا لشکرِ اسلام کو خستہ حالت میں پسپا ہوتا دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اور اپنے ہمراہیوں سے کہنے لگا: عربوں کی آج خوب ہی گت بنی۔ وہ صرف کھلے میدان میں لڑنا جانتے ہیں۔ اور بالمقابل بڑھ کر تلوار مارتے ہیں۔ مگر محاصرے کے کچے ہیں۔ معلوم نہیں۔ اِس قدر قلعے اُنہوں نے کس طرح فتح کر لئے۔ ایسے بے تحاشا بڑھے چلے آرہے تھے کہ گویا اُن کے زعم میں قلعے کے اندر سب مُردہ تھے۔ اور قلعے والوں کے پاس سامانِ حرب تھا ہی نہیں۔ اب اُمید نہیں کہ پھر قلعے کا رُخ کریں۔ میں انہیں فریب اور چالبازی سے زچ کروں گا۔ وہ جنگی فریبوں سے ناواقف ہیں۔ بالکل سیدھے سادے سپاہی ہیں۔ قلعہ بندی اور محاصرے کے فن کو کیا جانیں؟ میں آج ہی رات اُنہیں ایک اور سبق دُوں گا، جسے عمر بھر نہ بھولیں گے۔ اُن کی موت خدا نے میرے ہاتھ لکھی ہے۔ میرے جاسوس خوب کام کر رہے ہیں اور صحیح اطلاع دیتے ہیں۔ آج تم سب خوشی مناؤ اور خوشی کے نعرے بلند کرو۔ تاکہ اہلِ اسلام سمجھیں کہ ہم خوشی اور عیش میں مصروف ہیں اور ان کا کوئی خیال نہیں۔ پھر دیکھو! میں کیا کرتا ہوں"۔ یوقنا نے عرب نسل کے تین چالاک جاسوس لشکرِ اسلام میں بھیج دیئے تھے۔ جو اہلِ عرب کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور

اُن پر کسی کو شبہ نہیں ہوتا تھا۔ جب آدھی رات گذر گئی۔ تو یوقنا کے دو جاسوس قلعے میں آئے۔ اور اطلاع دی کہ لشکر میں اکثر لوگ رات کو جاگتے رہتے ہیں۔ اور کچھ پڑھتے رہتے ہیں، خصوصاً جہاں سپہ سالار کا کیمپ ہے، اُدھر رات بھر آگ روشن رہتی ہے اور پہرا بھی سخت رہتا ہے، مگر بائیں طرف کے لوگ خیموں میں سو رہے ہیں۔ اُن کی آگ بھی ٹھنڈی ہو گئی ہے۔ اور بالکل غافل ہیں۔ یہ سنتے ہی یوقنا نے دو ہزار سوار چن لئے۔ اور اُنہیں لے کر قلعے سے نکلا۔ نہایت احتیاط سے چلتے ہوئے وہ اسلامی کیمپ کے بائیں طرف حملہ آور ہوئے۔ مسلمان گھبراہٹ میں اُٹھے۔ جو چیز جس کے ہاتھ میں آئی۔ اُٹھا کر اپنا بچاؤ کرنے لگے اور اَلنَّفیرُ اَلنَّفیر (چلو، چلو) پکارنے لگے۔ یہ آواز بجلی کی طرح لشکر اسلام میں پھیل گئی۔ فی الفور ابو عبیدہؓ خیمے سے نکلے اور اپنے سرداروں کو پکارا۔ خالدؓ بن ولید جھٹ پٹ مسلح ہو کر مع چند ہمراہیوں کے موقعِ جنگ پر پہنچے اور شیر کی طرح گرج کر میدان میں گھس گئے۔ رومیوں نے اس عرصے میں ساٹھ عرب سپاہی قتل کر دیئے تھے۔ یوقنا نے یہ سمجھ کر کہ لشکر اسلام خبردار ہو کر آپہنچا۔ فی الفور واپسی کا حکم دیا۔ رومی پچاس مسلمانوں کو قید کئے ہوئے قلعے میں جا داخل ہوئے۔ مگر خالد بن ولید اور اُن کے ہمراہیوں کی تلوار سے تو رومی وہیں کھیت رہے۔ اہلِ عرب جو

اس رات شہید اور زخمی ہوئے۔ تو ہم حمیر میں سے تھے۔ صبح ہوئی۔ تو یوقنا نے پچاس قیدیوں کو قلعے کی فصیل پر مشکیں باندھ کر کھڑا کر دیا۔ اور اہل اسلام کو دکھا دکھا کر ایک ایک کا سر تن سے جدا کر دیا۔ مسلمان کلمۂ شہادت پڑھتے اور شہید ہوتے جاتے تھے۔

جب ابوعبیدہؓ نے یہ نظارہ دیکھا تو انہیں سخت قلق ہوا۔ اور انہوں نے تمام لشکر میں منادی کرا دی۔ کہ کوئی شخص پہرے والوں کی حفاظت کے بھروسے پر نہ رہے۔ بلکہ اپنی حفاظت آپ کرے۔ اس دن سے اہل اسلام محتاط ہو گئے اور ہر قوم کے آدمی اپنے اپنے خیموں کے گرد باری باری پہرہ دیتے تھے۔ گو باقاعدہ پہرے دار بھی ہر رات برابر متعین کئے جاتے تھے۔ یوقنا کو چند روز اور کوئی اطلاع اہل عرب کی غفلت کی نہ ملی۔ جس سے وہ فائدہ اٹھاتا۔ لشکر عرب اب قلعے کی زد میں نہیں آتا تھا اور محاصرہ کئے بیٹھا تھا۔

ایک شام کو یوقنا کا جاسوس اس کے پاس آیا اور کہنے لگا:۔ "اے سردار! ایک موقع ہاتھ آیا ہے۔ اگر آپ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اہل عرب کے دل میں دہشت ڈالیں"

یوقنا نے پوچھا:۔ "وہ کیا؟" جاسوس نے کہا:۔ "آج صبح لشکر عرب میں سے سو سوار بار برداری کے بہت سے اونٹ لے کر مشرق

کی طرف گئے ہیں۔ وہ شام تک واپس نہیں آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دُور گئے ہیں۔ اُمید ہے۔ کہ کل وہ ضرور واپس ہوں گے۔" یوقنا نے کہا:۔ "اُنہیں رسد شہر سے نہیں ملتی؟ جاسُوس نے کہا: "شہر سے بھی رسد لیتے ہیں، مگر گردو نواح سے بھی منگاتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام علاقہ اُن کے قبضے میں آچکا ہے۔ اور سب لوگ اُن کی حفاظت میں ہیں، سوائے آپ کے قلعے کے باقی تمام علاقے کے اس وقت اہل عرب حاکم ہیں۔" یوقنا نے اُسی وقت ایک سردار کو بلایا اور اُس سے کہا:۔ ایک ہزار سوار لے کر مشرق کی طرف جاؤ۔ اہلِ اسلام اُس طرف رسد لانے کے لئے گئے ہیں۔ جہاں ملیں، گھیر کر قتل کر دو اور رسد وغیرہ چھین لو۔ مگر یہ احتیاط کرنا کہ دن کے وقت قلعے میں نہ آنا، دن کو اِدھر اُدھر غائب رہنا اور رات کو جب تاریکی ہو جائے تو اس پوشیدہ دروازے سے، جہاں سے میں اب تمہیں نکالوں گا، قلعے میں آجانا۔ میں تمہارا منتظر رہوں گا۔" یہ حکم دے کر وہ پوشیدہ دروازے کی طرف آیا۔ پہلے جاسوسوں کو بھیجا کہ دیکھیں، کوئی غیر آدمی سامنے تو نہیں ہے۔ جاسوس دیکھ بھال کر واپس آئے۔ اور کہا کہ کوئی متنفس دکھائی نہیں دیتا۔ اہلِ عرب کو ہرگز اس راستے کا پتہ نہیں، بلکہ ہمیں بھی اس کا علم نہ تھا۔ یوقنا نے کہا کہ قلعوں میں جو راستے پوشیدہ ہوتے ہیں، اُن کا علم خاص

خاص آدمیوں کو ہوتا ہے، عام کو نہیں بتایا جاتا۔ آڑے وقت پر یہ راستے بڑا کام دیتے ہیں۔ یوقنا نے بخوبی اطمینان کر کے اپنے سردار کو مع ایک ہزار سوار کے پوشیدہ راستے سے نکال دیا۔ رومی سواروں نے سڑک پر پہنچتے ہی سرپٹ گھوڑے چھوڑ دیئے۔ راستے میں اُن کو ایک چرواہا ملا۔ جو ایک گلہ گائے بیل کا لئے شہر کی طرف جا رہا تھا۔ رومی سردار نے اُس سے پوچھا: "تو کدھر جا رہا ہے؟" چرواہے نے کہا: "میں گلہ چرا کر شہر کو جا رہا ہوں۔ آج مجھے جنگل میں بہت دیر ہو گئی ہے۔" رومی سردار نے پوچھا: "آج دن کے وقت مسلمان سوار اس طرف آئے تھے؟" چرواہے نے کہا: "ہاں، سو سوار مع باربرداری کے اونٹوں کے اِدھر جا رہے تھے۔" رومی نے پوچھا: "انہوں نے تیرے گلے کو تو نہیں چھیڑا؟" چرواہے نے کہا: "ہم اہلِ عرب کی حفاظت میں آئے ہوئے ہیں، یہ تمام جنگل اُن کے ماتحت ہیں۔ مسلمان اپنے زیرِ حفاظت لوگوں کو دُکھ نہیں دیتے۔ اور نہ کوئی چیز اُن سے جبراً لیتے ہیں، بلکہ جو سامان وہ خریدتے ہیں۔ اُس کی پوری قیمت ادا کرتے ہیں۔" رومی سردار نے کہا: "اچھا، اِن مسلمانوں سے نبٹ لیں۔ تو پھر ان کی زیرِ حفاظت رعایا کی بھی خبر لیں گے۔" یہ کہہ کر رومی سردار نے اپنے ہمراہیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ کہیں وہ ٹھہر کر دم لیتے، کہیں پھر گھوڑے

چھوڑ دیتے۔ صبح ہونے کے قریب تھی۔ کہ اُن کو اہل عرب رسد لاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ مسلمان سواروں کے افسر مناوش بن ضحاک نے جو راستے میں رومی سواروں کو دیکھا تو اپنے ہمراہیوں سے کہا:" رومی ہم پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ مگر کوئی مضائقہ نہیں۔ جان ہتھیلی پر رکھ لو۔ اور عرب کا نام روشن کر جاؤ"۔ راستے میں رومیوں نے حملہ کر دیا۔ اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مناوش اور اُن کے ہمراہ بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر مناوش شہید ہوئے۔ تیس سوار بھی اُن کے ساتھ شہید ہو گئے۔ باقی دشمنوں کی صف چیر کر نکل گئے اور ابو عُبیدہؓ کے پاس جا کر عرض کی:" رومی سوار ہم پر یک لخت ٹوٹ پڑے۔ ہم نے مردانگی سے مقابلہ کیا۔ ہمارے افسر مناوش بن ضحاک داد شجاعت دیتے ہوئے تیس سواروں سمیت شہید ہو گئے ہم بمشکل دشمنوں کی صف چیر کر یہاں تک پہنچے ہیں"۔

ابو عبیدہؓ نے کہا:" تمام علاقہ ہمارے قبضے میں ہے۔ دشمن ہمارے قلعہ بند ہیں۔ قلعے کے راستے ہم نے روک رکھے ہیں۔ پھر رومی تم پر آسمان سے ٹوٹ پڑے"؟ انہوں نے کہا:" ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں سے آئے تھے، مگر وہ سب مسلح اور قواعد دان تھے۔ ہم نے اُن کا اندازہ بھی نہیں کیا کہ وہ کتنے تھے"۔ ابو عُبیدہؓ نے اسی وقت خالدؓ بن ولید کو بُلا کر کل ماجرا سنایا اور کہا

"اے ابا سلیمان! تمہیں سے یہ کام ہوگا۔ ایسے کاموں کے لئے خدا نے تمہیں کو پیدا کیا ہے اور تمہارے ہی ہاتھ سے ایسی خطرناک مہمات سرانجام پاتی ہیں۔ تم اپنے ہمراہ جس قدر آدمی چاہو۔ لے لو۔ اور اُن کی تلاش میں جاؤ۔ جب لڑائی کے موقع پر پہنچو، تو وہاں سے اُن کا کھوج لگا لو اور جس جگہ پاؤ، اُن کا مقابلہ کرو۔ مگر یہ بات یاد رکھنا کہ اس تمام علاقے کے لوگوں سے ہماری مصالحت ہو چکی ہے۔ اور ہم اپنی طرف سے اپنے عہد کے پابند ہیں۔ اگر کسی قوم نے عہد توڑا ہے اور ہمارے ساتھ دغا کی ہے، تو میں قرار واقعی سزا دوں گا۔ لیکن جب تک یہ اُمر کماحقّہٗ ثابت نہ ہو جائے، تب تک اس علاقے کے کسی آدمی کو دُکھ نہ دینا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ لوگ کہاں سے آئے، جنھوں نے اچانک ہمارے رسد لانے والوں کو گھیر لیا۔ اس معاملے کی اچھی طرح چھان بین کرنا۔ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت کرے" خالدؓ بن ولید اسی وقت اپنے خیمے میں گئے اور مسلح ہو کر ابو عبیدہؓ کے پاس آ گئے۔ ابو عبیدہؓ نے کہا:۔ اے ابا سلیمان! کیا تم تنہا اس مہم پر جاؤ گے؟" خالدؓ نے کہا: "میرا ایسا ہی ارادہ ہے۔ اگر دشمن ایک ہزار بھی ہوں گے تو میں اُن کے لئے بتائیدِ ایزدی کافی ہوں" ابو عبیدہؓ نے کہا: "بےشک تم کافی ہو، مگر شاید دشمنوں کی تعداد زیادہ ہو۔

اس لئے میری رائے ہے کہ بہ نظرِ احتیاط کچھ سوار ہمراہ لیتے جاؤ، اس میں کوئی ہرج نہیں"۔ اتنے میں قوم زبید اور قوم طے کے شہسوار، جن میں ضرار بن ازد اور ربیعہ بن عامر بھی تھے، ابوعبیدہؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے "ہمارے آدمی، جو رسد لانے گئے تھے، وہ راستے میں رومیوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ اُن کے ہمراہیوں نے ہمیں ابھی اطلاع دی ہے، آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم رومیوں کے مقابلے پر جائیں۔ ابوعبیدہ نے کہا: "خالدؓ بن ولید کو میں نے رومیوں کی طرف جانے کے لئے تیار کیا ہے۔" اُنھوں نے کہا: "ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم بھی خالدؓ بن ولید کے ہمراہ جائیں۔" ابوعبیدہ نے کہا: "اے ابا سلیمان! ان لوگوں کو بھی ہمراہ لیتے جاؤ! کہ ان کا دل خوش ہو جائے۔" خالدؓ بن ولید اُن کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔ رومی بطریق نے جب مسلمانوں سواروں پر غلبہ پا لیا، تو کہا: "مجھ کو امید تھی کہ ہم ان سب کو قتل کر ڈالیں گے اور کسی کو بھی زندہ نہ جانے دیں گے، مگر یہ بڑی قوم ہے کہ زور کے ساتھ اُن کے بعض آدمی بچ کر نکل گئے۔ اب یہ مناسب ہے کہ رسد لے کر سب پکڑ اور پہاڑ کی طرف چلو، دم لے کر ہم وہاں آرام کریں گے۔ اور جب تاریکی ہو جائے گی، تو مالِ غنیمت لے کر قلعے کو روانہ ہو جائیں گے۔"

زندہ باد

یہ کہہ کر رومی سردار مع ہمراہیوں اور مالِ غنیمت کے ایک پہاڑی پر چلا گیا۔ پہاڑ کی اوٹ میں اُتر کر پہرے دار متعین کر دیئے۔ خالدؓ بن ولید، ضرارؓ بن ازور، ربیعہؓ بن عامر اور دیگر شہسوارانِ عرب کو لئے ہوئے، بڑی تیز رفتاری سے موقعِ واردات پر پہنچے۔ وہاں اُنہیں اس علاقے کے آدمی ملے جو بڑے خوف زدہ ہو رہے تھے۔ خالدؓ بن ولید کو دیکھتے ہی وہ اُن کے قدموں پر گر پڑے۔ اور کہنے لگے کہ آپ کے ہمراہیوں کے خون سے ہم بری الذمہ ہیں۔ خالد نے کہا: ”پھر یہ کہاں کے لوگ تھے، جنہوں نے ہمارے آدمیوں پر حملہ کیا؟“ اُنہوں نے کہا: ”وہ یوقنا کے ہمراہی ہیں۔ اور اُسی نے اُن کو تمہارے آدمیوں کے پیچھے روانہ کیا تھا۔ تمہارے کیمپ میں یوقنا کے جاسوس ہیں، جو اُس کو تمہارے حالات کی خبر دیتے رہتے ہیں۔“ خالدؓ نے کہا: ”تم کو معلوم ہے کہ وہ رومی سوار کدھر گئے؟“ اُنہوں نے کہا: ”یہ بتانا تو آسان ہے، کیونکہ اُن کے گھوڑوں کے سُموں کے نشانات خود پتہ دیتے جائیں گے۔ کہ وہ کدھر گئے ہیں۔“ خالدؓ نے کہا: ”اچھا ایک آدمی کھوج دیکھتا ہوا ہمارے آگے چلے۔“ کھوجی خالدؓ بن ولید کو ایک پہاڑی کے قریب لے گیا۔ خالدؓ نے کہا: ”اس سے آگے نہ بڑھو، ورنہ دشمن ہوشیار ہو جائیں گے اور ہمارے ہاتھ سے بچ جائیں گے۔“ پھر کھوجی سے پوچھا: ”حلب کو اس پہاڑی

سے جانے کا کوئی راستہ بھی ہے؟" اُس نے کہا: "نہیں"۔ خالدؓ نے کہا: "بہتر، اِس راستے کے ایک طرف ہو کر ہم چھُپ رہیں، جب رومی اس طرف سے گزریں، تو اچانک اُن حملہ کر دیں تاکہ اُن میں سے کوئی ہمارے ہاتھ سے بچ کر بھاگ نہ سکے۔ میرا خیال ہے۔ کہ وہ دن بھر چھُپے رہیں گے اور رات کو یہاں سے کُوچ کریں گے"۔ خالدؓ اور اُن کے ہمراہی گھات میں بیٹھ کر اُن کا انتظار کرنے لگے۔

جب شام ہو گئی اور رات کی تاریکی چھا گئی۔ تو رومی سردار نہایت اطمینان سے مع ہمراہیوں اور مالِ غنیمت کے پہاڑی سے اُترا۔ اور قلعے کی طرف روانہ ہُوا۔ خالدؓ نے اپنے ہمراہیوں کے دو حصّے کر دیئے تھے۔ ایک حصّہ ضرار بن ازد اور ربیعہ بن عامر کو دے کر کہہ دیا تھا کہ تم رومیوں پر عقب سے حملہ کرنا اور آپ ایک حصّہ لے کر ان پر سامنے سے حملہ کرنے کے لیئے تیّار ہو گئے۔ جب رومی سردار خالدؓ بن ولید کے قریب پہنچے۔ تو خالدؓ کمین گاہ سے نکل کر شیر کی طرح گرجتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑے۔ رومی گھبرا کر پیچھے ہٹنے کو تھے کہ ضرارؓ اور ربیعہ نے عقب پر حملہ کر دیا اور رومیوں کو دونوں طرف سے گھیر لیا۔ اب رومیوں کا کہاں ٹھکانا تھا؟ رومی سردار کو تو خالدؓ بن ولید نے ایک ہی وار میں دو ٹکڑے کر دیا۔ اُدھر ضرار اور ربیعہؓ نے

رومی کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ سات سو رومی قتل ہو گئے۔ اور تین سو ہتھیار پھینک کر اسیر ہو گئے۔ خالدؓ بن ولید سامان رسد اور مال غنیمت لے کر مظفر و منصور ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ ابو عبیدہؓ اور تمام لشکر اسلام خالدؓ بن ولید کی کارروائی سے از حد خوش ہوئے اور ان کے اللہ اکبر کے نعروں سے حلب کا میدان گونج اٹھا۔ یوقنا کے جاسوسوں نے اس کو فی الفور احسن حال سے اطلاع دی۔ وہ بڑا ہی نادم اور پشیمان ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ گو وہ بڑا چالباز اور متفنی ہے، مگر اہل عرب کی سادگی اور صفائی اس پر غالب آرہی ہے اور اس کی ساری چالاکی اور حکمت عملی اہل اسلام کی صفائی باطن کے آگے گرد ہو رہی ہے۔ ابو عبیدہؓ سے خالدؓ بن ولید نے کہا: "ہمارے لشکر میں یوقنا کے جاسوس رہتے ہیں، جو اس کو ہماری حالت کی دم بدم خبریں پہنچاتے رہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ ہماری ذرا ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھاتا ہے مجھے اجازت دیجیے، تو میں اسلامی لشکر میں گشت لگاؤں اور سب آدمیوں کی پڑتال کروں۔ جب تک یہ جاسوس ہم میں موجود ہیں، تب تک یوقنا ہم کو کوئی نہ کوئی تکلیف دیتا ہی رہے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس قلعے میں کوئی پوشیدہ راستہ ضرور ہے۔ جس کا ہمیں علم نہیں۔ اس کا علاج یہ کرنا چاہیئے کہ علاوہ ہر ایک دروازے کا محاصرہ کرنے کے کچھ آدمی اس کام کے لئے متعین کئے جائیں کہ وہ قلعے

کے گرد چکر لگاتے رہیں۔ اس طرح پوشیدہ راستے سے یوقنا فائدہ نہ اُٹھا سکے گا۔" ابو عبیدہؓ نے یہ تجویز پسند کی اور اُسی وقت ضرارؓ بن ازور، عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر، قیسؓ بن ہبیرہ اور سعیدؓ بن عمرؓ کو کچھ سوار دے کر بہ تاکید کی کہ تم باری باری قلعے کے گرد چکر لگاتے رہو اور جب کسی کو قلعے کے اردگرد آتے جاتے دیکھو، تو فی الفور گرفتار کر لو۔ اس کے بعد خالدؓ بن ولید سے کہا: "جاسوسوں کی پڑتال تم خود کر لو۔ کیونکہ تم سے بہتر کوئی شخص اس کام کو نہیں کر سکے گا۔" عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر مع ضرارؓ بن ازور اور دیگر ہمراہیوں کے اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے اور قلعے کے گرد ایسا سخت پہرا لگایا کہ ایک چڑیا بھی قلعے کے اندر آجا نہیں سکتی تھی۔ اِدھر خالدؓ بن ولیدؓ نے گشت کرنی شروع کی اور پھرتے پھرتے ایک آدمی کو دیکھا جو اُس وقت ایک کمبل کو تہ کر رہا تھا۔ خالدؓ کو وہ اجنبی معلوم ہُوا۔ اُنہوں نے اُسے پکڑ لیا اور پوچھا: "تو کون ہے؟" اجنبی نے کہا: "میں قوم غسان سے ہوں، مگر مُسلمان ہو چکا ہوں۔" خالدؓ اُسے ابو عبیدہؓ کے پاس لے گئے اور کہا: "یہ شخص بنی غسان میں سے ہے اور مُسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔" ابو عبیدہ نے کہا: "اِسے نماز پڑھاؤ اگر یہ سب نماز ادا کرے، تو سمجھو کہ یہ مسلمان ہے، ورنہ نہیں۔" خالدؓ نے اُس سے کہا: "دو رکعت نماز پڑھ اور قرآن بلند آواز سے سُنا۔" مگر وہ نہ پڑھ سکا۔ خالدؓ نے کہا: "تو جاسوس ہے اور

تیری سزا موت، وہ سخت گھبرایا اور اپنے قصور کا اقبال کیا۔ خالدؓ نے پوچھا: "تیرا اور کوئی ہمراہی ہمارے لشکر میں ہے؟" اس نے کہا: "ہم تین جاسوس ہیں۔ دو اس وقت قلعے میں گئے ہوئے ہیں اور ابھی واپس نہیں آئے۔ میں آپ کے حالات دریافت کرنے کے لئے ٹھیر گیا تھا۔" ابو عبیدہؓ نے کہا: "اسے حراست میں رکھو۔" اس نے کہا: "مجھ پر رحم کیجئے۔ میں آئندہ آپ کی مخبری نہ کروں گا اور صدقِ دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔" ابو عبیدہؓ کو اس پر رحم آگیا اور اسے چھوڑ دیا۔ وہ اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور ابو عبیدہ نے اس کو ایک عالم کے سپرد کیا۔ کہ اس نو مسلم کو اسلام کے ارکان سے آگاہ کرے اور قرآن پڑھائے۔ ابو عبیدہؓ کامل چار ماہ تک قلعۂ یوقنّا کا محاصرہ کئے رہے، مگر یوقنّا نے دم نہ مارا۔ وہ بدستور کوئی نہ کوئی چال چلتا رہا۔ اہلِ اسلام بڑے محتاط ہو گئے تھے۔ اور اس کے داؤں میں نہ آتے تھے۔ ابو عبیدہؓ کو خط لکھے ہوئے عرصہ گزر گیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو مندرجہ ذیل خط لکھا:۔

"آغاز رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے۔ عبد اللہ امیر المومنین کی طرف سے ابو عبیدہؓ کے نام۔ تم پر سلامتی ہو۔ میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں، جس کے سوا

کوئی معبود نہیں اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود بھیجتا ہُوں

اَے اَبُو عبیدہؓ! کاش تم جانتے ہوتے کہ تمہارا خط نہ پہنچنے سے میری کیا حالت ہوتی ہے اور میری طبیعت کیسی بے قرار رہتی ہے۔ مجھے دن رات تمہارا اور تمہارے ہمراہیوں کا خیال رہتا ہے جب تمہارے خط کو دیر ہوتی ہے، تو مجھے بے چینی ہوتی ہے۔ تم مجھے اس وقت خط لکھتے ہو جب اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی فتح عطا کرتا ہے۔ اِس کے سوا تم مجھے کوئی اطلاع نہیں دیتے۔ خواہ کتنا ہی عرصہ گزر جائے۔ مَیں اگرچہ تُم سے دُور ہوں، مگر دل سے نزدیک اور ہر وقت تمہاری صحت و سلامتی کے لئے دستِ بدُعا رہتا ہوں۔ اہلِ اِسلام کی نگہبانی اور حفاظت دل و جان سے کرتے رہو۔ کیونکہ یہ ایک بڑی امانت ہے۔ جو مَیں نے تمہارے سپرد کی ہے اور اس کے لئے مجھ سے ضرور باز پُرس ہوگی۔ مجھے اپنے حالات سے برابر اطلاع دیتے رہو۔ تم پر اور تمام مسلمانوں پر خدا کی رحمت اور سلامتی ہو!!

۲۔ فتحِ حلب

ابوعبیدہؓ نے خلیفۂ ثانیؓ کا خط لشکرِ اسلام کو جمع کرکے سنایا۔ سب سنکر خوش ہوئے اور حضرت عمرؓ کی ہمدردی اور دل سوزی کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ اس کے بعد ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں مندرجۂ ذیل خط لکھا:۔

"اللہ رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے۔ عبداللہ عمرؓ بن خطاب امیرالمومنین کی خدمت میں اُن کے عامل ابوعبیدہؓ کی طرف سے۔ آپ پر خدا کی رحمت و سلامتی ہو۔ میں اُس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ اے امیرالمومنین! ہر قسم کی تعریف خدائے بزرگ و برتر کو زیبا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قنسرین پر فتح دی اور اہلِ حلب ہماری حفاظت میں آگئے، مگر حاکمِ حلب یوقنّا اور اُس کے لشکر نے اطاعت نہیں کی۔ یوقنّا نے فریب سے بہت سے مسلمان شہید کردیئے۔ ہم برابر محاصرہ کئے ہوئے

ہیں۔ لیکن یوقنا نے ہمیں دق کر رکھا ہے اور قریباً نہ
چالیں چلتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس
قلعے کا محاصرہ چھوڑ کر انطاکیہ کی طرف بڑھوں۔ میں
آپ کے حکم کا انتظار کروں گا۔ آپ پر اور تمام مسلمانوں
پر سلامتی ہو۔"

یہ خط لکھ کر عبداللہ بن قرط اور جعد بن حیران کے حوالے کیا۔ اور کہا: "جلدی یہ خط مدینے پہنچاؤ۔ تاکہ حضرت عمرؓ کی فکرمندی دور ہو اور اہل اسلام خط سنکر خوش ہوں۔" عبداللہ بن قرط اور جعد بن حیران خط لے کر مدینے روانہ ہوئے۔ وہ ابھی شام کی سرحد سے پار نہ ہوئے تھے کہ انہیں ایک مسلح سوار آتا ہوا دکھائی دیا۔ عبداللہ نے جعد سے کہا: "یہ کون سوار ہماری طرف آرہا ہے کوئی دشمن ہوگا۔ ہتھیار سنبھال لو!" جعد نے کہا: "اس علاقے میں ہمارا دشمن کوئی نہیں۔ یہ سب لوگ ہماری حفاظت میں ہیں۔ ہتھیار سنبھالنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اتنے میں سوار نے ان کے پاس پہنچ کر کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم۔" عبداللہ اور جعد نے جواب میں وَعَلَیْکُمُ السّلام کہا۔ سوار نے پوچھا: "تم کہاں سے آرہے ہو؟" عبداللہ نے کہا: "ہم لشکرِ اسلام کی طرف سے مدینہ منوّرہ کو جارہے ہیں۔ تم کون ہو۔ اور کہاں کا قصد ہے؟" سوار نے کہا: "میرا نام بلال بن زید طائی ہے۔ اور میں اپنے گروہ سمیت لشکرِ اسلام

ہیں شامل ہونے جاتا ہوں میرے ہمراہی پیچھے آرہے ہیں۔ میں نے دُور سے تمہیں دیکھا، تو تمہارا حال دریافت کرنے آگے نکل آیا۔" بلال رضؓ نے ان سے لشکرِ اسلام کی کیفیت پوچھی۔ عبداللہ نے کہا: "لشکریانِ اسلام قلعۂ حلب کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ تم وہاں اُن سے جا ملو۔" عبداللہ اور جعید اُن سے رُخصت ہو کر مدینے میں پہنچے۔ اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابوعبیدہؓ کا خط پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے خط پڑھا اور خوش ہوئے۔ پھر نماز کے بعد تمام مسلمانوں کو سنایا اور وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ اتنے میں حضر موت اور یمن کے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور خلیفۂ ثانیؓ کے روبرو عرض کی: "ہم لوگ بقصدِ شام آئے ہیں اور آپ کی اجازت چاہتے ہیں۔" خلیفۂ ثانیؓ نے کہا: "تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ تم کتنے آدمی ہو؟" اُنہوں نے کہا: "ہم چار سو سوار ہیں، مگر ہمارے ساتھ کچھ اور آدمی ہیں، جن کے پاس سواری نہیں۔ اگر آپ سواری کا انتظام کر دیں۔ تو ہم بآرام سفر طے کر کے لشکرِ اسلام میں جائیں۔" حضرت عمرؓ نے پوچھا: "وہ کتنے آدمی ہیں، جن کے پاس سواری نہیں؟" اُنہوں نے کہا: "ایک سو چالیس ہیں۔" حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا: "وہ سب کے سب عرب ہیں؟" اُنہوں نے کہا: "ان میں کچھ عرب ہیں۔ باقی غلام ہیں۔ اُن کے مالکوں نے اُنہیں اجازت دے دی۔

ہے اور وہ لڑائی میں بڑے بہادر اور جفاکش ہیں"۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت حکم دیا: "بیت المال سے انہیں ستّر اُونٹ دے دیئے جائیں۔ دو دو آدمی ایک ایک اُونٹ پر سوار ہو جائیں گے"۔ پھر اُن کے حق میں دُعائے خیر کی اور اُن کو رخصت کیا اور عبد الدین قرط سے کہا: "تم میرا خط لے کر اس گروہ کے ہمراہ ابو عبیدہؓ کے پاس جاؤ"۔ حضرت عمرؓ نے مندرجۂ ذیل خط لکھا :-

"ابتدا رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے۔ عبد اللہ عمرؓ امیر المومنین کی طرف سے اُن کے عامل ابو عبیدہؓ بن جراح کے نام میں اُس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ تمہارا خط قاصد کے ذریعے پہنچا۔ میں اِس خبر سے بہت خوش ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دشمنوں پر فتح دی، لیکن تم نے اہلِ حلب کو اُن کے حال پر چھوڑ کر انطاکیہ وغیرہ کی طرف جانے کا جو ارادہ ظاہر کیا ہے میں اس سے متفق نہیں۔ کیونکہ شہر حلب لے لینے کے باوجود قلعہ فتح کئے بغیر کسی اور طرف چلے جاؤ گے، تو بُری مثال قائم ہو گی اور یہ خبر تمام مُلک میں پھیل جائیگی کہ تم قلعہ فتح نہ کر سکے۔ اس سے تمہاری سُبکی ہو گی اور حاکم حلب کی شہرت و عزّت۔ جا بجا اُس کی تعریف ہو گی

اور دوسرے شہر بھی اس کی پیروی کرنے کی کوشش
کریں گے۔ پھر تمہیں ہر جگہ مشکل درپیش آئے گی اور
رومیوں کو تم پر جرأت ہو جائے گی اور وہاں کے حاکم
آپس میں تمہارے متعلق مشورہ کریں گے اور سب متفق
ہوکر تمہارا مقابلہ کریں گے۔ اس لئے تم حلب کا محاصرہ
ہرگز نہ چھوڑو اور جب تک خدا کا حکم نہ ہو۔ اس کا محاصرہ
کئیے پڑے رہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر حکم دینے والا ہے۔ تم
اپنا لشکر اندگرد پھیلا دو اور آس پاس کے علاقوں
میں تھوڑا تھوڑا لشکر بھیجتے رہو۔ جو لوگ تم سے مصالحت
کریں۔ اُن سے صلح کر لو۔ اور جو تمہارے ساتھ سلامت
روی اختیار کرے، تم بھی اُس سے سلامت روی برتو
یمن اور حضرموت کے سوار تمہیں بھیجے جاتے ہیں۔ ان
میں کچھ غلام بھی ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں
جان نثار کرنے کا مصمم ارادہ کیا ہے۔ انشاء اللہ اسی
طرح برابر تمہیں کمک پہنچتی رہے گی۔ تم پر اور تمام
مسلمانوں پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو"

عبداللہ بن قرط اور سعید بن جیران مع اہل یمن و حضرموت
کے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں اہل یمن عبداللہ بن
قرط سے باتیں کرتے جاتے تھے اور ان سے اہل عرب کی فتوحات

کا حال پوچھتے جاتے تھے۔ آخر اُنہوں نے پوچھا: "اِس وقت لشکرِ اسلام کس جگہ ہے اور کیا کر رہا ہے؟" عبداللہ بن قرط نے جواب دیا: "آج کل اہلِ اسلام قلعۂ حلب کا محاصرہ کئے پڑے ہیں۔ اس محاصرے کو چار ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا، مگر قلعہ فتح ہونے میں نہیں آتا۔ قلعے کا حاکم جس کا نام یوقنا ہے، بڑا چالاک اور ہوشیار ہے۔ اُس نے ہمیں از حد دق کر رکھا ہے کبھی رات کو اُتر آتا ہے اور بے خبری میں ہمارے آدمی قتل کر دیتا ہے۔ کبھی رسد لانے والوں پر چپکے سے حملہ کر دیتا ہے۔ اور ہمارا مال اسباب لُوٹ لیتا ہے۔ کبھی قلعے سے پتھر اور تیر برساتا ہے کبھی غافل پاکر ہمارے آدمی گرفتار کر لے جاتا ہے اور قلعے کی فصیل پر کھڑا کرکے ہمارے سامنے قتل کر دیتا ہے۔ ہم نے بہتیرا اُس کو تنگ کیا۔ اُس کے سپاہی قتل کئے۔ مگر وہ ایسا دلیر اور چالاک ہے کہ ہماری کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ جنگ یرموک کے بعد ہم نے ایسا تیجلا رومی کوئی نہیں دیکھا۔ ہم آج کل ایسے مخمصے میں پھنسے ہوئے ہیں۔" عبداللہ بن قرط جب یہ ذکر کر رہے تھے۔ تو سُننے والوں میں ایک شخص بنی ظریف ملوکِ کندہ کے غلام تھے، جن کا نام دامس اور کنیت ابوالہول تھی۔ یہ شخص بڑے قد آور و تنومند تھے۔ گردن موٹی اور چھوٹی، رنگ سیاہ، بالکل ہاتھی کی مانند دکھائی دیتے تھے گھوڑے پر چڑھتے، تو پاؤں زمین پر پہنچتے تھے۔ وہ نامی شہسوار اور مشہور جنگجو

تھے اور علاقۂ یمن و حضرموت میں تمام لوگ اُن کی شجاعت کی تعریف کرتے اور اُن کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، بلکہ اپنی مجلسوں میں تعجب کے ساتھ اُن کا ذکر کرتے تھے اور اُن کے کارنامے سُنکر حیران ہوا کرتے تھے۔ قدوقامت میں وہ بلا تھے ہی۔ دلیری اور بہادری میں بھی اپنے علاقے میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ جب واسس نے راہ چلتے یوقنا کا حال سُنا۔ تو وہ سخت جوش میں آئے اور عبداللہ بن قرط سے کہنے لگے: "اے برادرِ عربی! خوش ہو جائیے کہ میں لشکرِ اسلام میں شامل ہونے جاتا ہوں۔ اللہ نے چاہا، تو اس یوقنا کو جس کی آپ اتنی تعریف کرتے ہیں، ایسا خوار و ذلیل کروں گا کہ عمر بھر یاد رکھے گا۔" عبداللہ بن قرط نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا:۔ اے حبش کے بیٹے! تم نے بڑی شیخی ہانکی اور تکبر کا کلمہ کہا۔ جس رومی سردار نے ہم کو تنگ کیا ہے۔ وہ تم سے ذلیل نہ ہوگا۔ یوں موہوم امید تو بانده جب تم حلب میں پہنچکر اُس کے حالات سُنو گے، تو پھر تمہیں میری بات کی قدر معلوم ہوگی۔ جری سے جری عرب اور امیر سے امیر مسلمان وہاں موجود ہیں، مگر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ جوں کا توں خم ٹھوکے مقابل کھڑا ہے۔ وہ ایسے باپ کا بیٹا ہے، جس نے زبردستی حلب کا تمام علاقہ قیصرِ روم سے چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا اور قیصرِ روم نے بجائے اس پر فوج کشی کرنے کے اس کو حلب کے علاقے کا رئیس تسلیم کر لیا۔ اس کا بیٹا یوقنا ہو بہو اپنے باپ کی مانند ہے۔ تم ایک

20632

غلام ہو کر اُس سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکو گے"؟ دامس ابو الہول یہ تقریر سُن کر جوش میں آ گئے۔ اور کہنے لگے: "اے برادر! تم نے مجھے حقیر سمجھا۔ اور میری قدر نہیں جانی۔ میرے ہمراہیوں سے پوچھو کہ میں کیا حیثیت رکھتا ہوں۔ مسلمان ہونے سے پہلے میں نے تمام علاقے میں ہلچل مچا دی تھی، میرے نام سے لوگ کانپتے تھے۔ میں نے جماعتیں کی جماعتیں بھگا دیں، لشکر کے لشکر منتشر کر دیئے۔ دائیں بائیں تاخت و تاراج کی، سیکڑوں جوان قتل کر ڈالے۔ بہت سے گاؤں اُجاڑ کر دیئے۔ کسی نے مارے ڈر کے میرا پیچھا نہیں کیا، کسی کو مجھ سے باز پرس کرنے کی جرأت نہیں پڑی۔ کوئی میرا دامن گیر نہ ہوا، سب مجھ سے ڈرتے تھے۔ اگر میں اِس وقت مسلمان نہ ہوتا۔ اور مجھے اللہ کا ڈر نہ ہوتا، تو میں اِسی وقت تمہیں اس تحقیر کا مزہ چکھا دیتا"۔ عبداللہ بن قرط یہ دلیرانہ گفتگو سُن کر چُپ ہو گئے اور دامس کے ہمراہیوں نے عبداللہ سے کہا: "دامس جو کچھ کہتے ہیں، بالکل سچ ہے بلاشبہ یہ بڑے زور آور دلیر ہیں۔ اور ان کے حیرت انگیز کارنامے لوگوں کی زبان پر ہیں۔ میدانِ جنگ میں کبھی اپنے حریف کو انھوں نے زندہ نہیں چھوڑا اور نہ کبھی کسی بھاگتے ہوئے کو زندہ جانے دیا۔ ہمیں اُمید ہے کہ دامس کے پہنچنے سے لشکرِ اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہو گی"۔ اس پر گفتگو ختم ہوئی اور اہلِ یمن جلد جلد منزلیں طے کرتے ہوئے لشکرِ اسلام کے قریب پہنچے۔ لشکرِ اسلام کو دیکھ کر انھوں

نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ ابو عبیدہؓ اُن کے استقبال کو نکلے۔ اور اُن کا خیر مقدم کیا۔ اہل یمن و حضر موت اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں میں، جو اُن کے قرابتی تھے۔ جا ملے اور اُن کے پاس فروکش ہوئے۔ دامس ابو الہول قبیلہ بنی ظریف کندہ کے پاس ٹھیرے، جن کے وہ غلام مشہور تھے۔ دن بھر تو لشکر میں امن امان رہا جب رات ہوئی۔ تو نماز کے بعد ہر گروہ کے کچھ آدمی سو گئے اور کچھ آدمی اپنے اپنے گروہ کے گرد پہرہ دینے لگے۔ دامس نے جو بنی ظریف کو اس گھبراہٹ میں دیکھا۔ تو ایک آدمی سے کہا: "تمہارا لشکر قلعے کا محاصرہ کئے ہوئے ہے، لشکر کے گرداگرد پہرا مقرر ہے، کوئی مخالف تمہارے سامنے نہیں، تمہیں خوف کس بات کا ہے اور یہ گھبراہٹ اور بے آرامی کیسی ہے؟" اُس نے جواب دیا: "اے دامس! تمہیں معلوم نہیں، اس قلعے کا حاکم بڑا متفنی ہے۔ وہ دن کو ہمارے مقابلے پر نہیں آتا۔ مگر رات کو ہمیں غافل پا کر حملہ کر دیتا ہے۔ اس لئے ہم اپنی حفاظت آپ کر رہے ہیں۔ وہ ایسا باخبر ہے کہ ہم میں سے جو گروہ غافل ہوتا ہے۔ اُس پر شیر کی طرح گھات سے نکل کر آ پڑتا ہے۔" دامس نے کہا: "جب قلعے کے دروازے اور راستے رُکے ہوئے ہیں۔ تو وہ پھر آسمان سے آ پڑتا ہے؟" اُس نے کہا: "اس قلعے میں کوئی پوشیدہ راستہ ہے، جس کی کسی کو خبر نہیں، وہ اُس راستے نکل آتا ہے اور ہم کو بے چینی میں ڈال دیتا ہے۔" یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک کنارے سے شور و غل کی آواز

آئی۔ پہرے دار نے کہا: "اے ابا الہول! اب اپنے کانوں سے سُن لو دشمن ہمارے کسی گروہ پر آپڑے ہیں" دامس نے اُسی وقت تلوار کھینچ لی اور ڈھال کاندھے پر ڈال کر اُس طرف جہاں سے شور و غل کی آواز سنائی دیتی تھی، دوڑے گئے۔ اُن کے ہمراہی بھی اُن کے پیچھے ہو گئے۔ دامس جاتے ہی شیر کی طرح گرجے اور پکارے: "میں ہوں ابوالہول، تمہاری جان کھانے آیا ہوں" رومی اُن کا نعرہ سُن کر گھبرا گئے اور قلعے کی طرف بھاگے۔ مگر دامس اور اُن کے ساتھیوں نے اُن کا پیچھا کیا۔ اور اُن کو مارتے مارتے قلعے کے دروازے تک پہنچا آئے۔ رومیوں میں سے دو سو کو دامس نے مار ڈالا۔ وہ شاید قلعے کے اندر گھس جاتے، مگر ابو عبیدہ کا ایک سوار اُن کے پاس پہنچا اور اُس نے دامس سے کہا: "سردار کا حکم ہے کہ تم سب واپس آجاؤ۔ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو"۔ دامس اور اُن کے ہمراہی واپس آگئے۔ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے۔ تو ابو عبیدہؓ نے رات کے حملے کا ذکر کیا اور پوچھا: "وہ کون گروہ تھا جس نے تاریکی میں رومیوں کا تعاقب کیا؟" سراقہ بن مکرب نے، جو قوم کندہ کے رئیس تھے۔ کہا: "کل رات رومیوں کو قتل کرنے والے ہمارے بھائی ظریف تھے، جو کل یہاں وارد ہوئے ہیں۔ اُن کے ہمراہ دامس ابوالہول تھے، جنہوں نے یہ کارِ نمایاں کیا۔" ابو عبیدہؓ نے پوچھا "دامس کون ہے؟" سراقہ نے کہا: "وہ بنی طے کے ... ہیں"

ہیں سنتر خوبی اور نہبا در" ابو عبیدہؓ نے کہا: "ایک غلام سے ایسا حیرت ناک کام واقعی تعجب خیز ہے" خالد بن ولید نے کہا: "بلاشبہ دامس ابوالہول حیرت ناک کام کرتے ہیں۔ مجھے ایک شخص نے اُن کے حیرت ناک کارنامے سنائے تھے۔ بلاشبہ وہ بڑے جری اور شجاع ہیں اور اہل یمن اُن کی از حد قدر کرتے ہیں۔ وہ اکیلے ایک لشکر کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ رومی سپاہی اُن کے آگے کیا تھے؟ اگر آپ اُن کو واپس نہ بلا لیتے۔ تو تعجب نہیں۔ وہ رومیوں کے پیچھے قلعے میں گھس جاتے۔" ابو عبیدہؓ نے کہا: "اُن کو میرے سامنے بلا بھیجو تاکہ میں اُن کو دیکھوں اور اُن سے بات چیت کروں۔" دامس فی الفور ابو عبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابو عبیدہؓ نے اُن کو شاباش دی اور کہا۔ "اے ابا الہول! میں نے تمہاری شجاعت کی بڑی تعریف سُنی ہے اور تم بڑے معرکوں میں رہے ہو۔ اس قلعے کے فتح کرنے کی کوئی تدبیر تمہارے ذہن میں آئے تو مجھے بتاؤ۔" دامس نے کہا: "قلعہ فتح کرنے کی اور کوئی تجویز نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ ہم میں سے کوئی شخص قلعے کے اندر جائے اور قلعے کا دروازہ کھول دے۔" ابو عبیدہؓ نے کہا: "قلعے تک پہنچنا مشکل ہے۔ اسی مشکل نے تو ہمیں یہاں ٹھیرا رکھا ہے جب ہم قلعے کے نزدیک جاتے ہیں، تو قلعے والے ہم پر پتھر برساتے ہیں، ہم کو واپس آنا پڑتا ہے۔ دشمن نکلتے نہیں کہ ہم اُن کا مقابلہ کر کے دیتا ہے" "یہی با" میں نے کہا: "اگر آپ مجھ پر بھروسہ کریں تو میں

جاں باز جوان میرے ہمراہ کردیں۔ میں کسی طرح قلعے کے اندر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔" ابو عبیدہؓ اور ان کے ہمراہی یہ سن کر متعجب ہوئے ابو عبیدہؓ نے کہا: "میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تم کس طرح تیس آدمیوں کے ساتھ قلعے میں داخل ہو سکو گے جب کہ ہم اتنے بڑے لشکر کے ساتھ کچھ نہ کر سکے۔" وامس نے کہا: "آپ روز روشن میں یہ کوشش کرتے ہیں اور میں رات کی تاریکی میں یہ کوشش کروں گا۔ آپ مجھ سے اور کچھ نہ پوچھیں، صرف تیس آدمی میرے ہمراہ کردیں۔" ابو عبیدہؓ نے کہا: "مجھے تم پر اعتماد ہے، کیونکہ جو شخص اہل اسلام کا خیر خواہ ہو، اس پر میں پورا اعتبار کرتا ہوں۔ تم تیس آدمی لے لو اور جو چاہو، کرو۔" ابو عبیدہؓ نے اسی وقت تیس جاں باز آدمی ابو الہول کے ہمراہ کردیئے اور ان سے کہا:

"میں نے ان کو تم پر سردار مقرر کیا ہے۔ ان کے احکام کی تعمیل بلا چون و چرا کرنا اور اس بات پر برا نہ ماننا کہ میں نے شرفائے عرب پر ایک غلام کو سردار مقرر کیا ہے۔ اوّل تو اسلام میں اس بات کی کوئی تمیز نہیں لیکن تمہاری تسلی کے لیے تم کو یاد دلاتا ہوں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کو بنی غسان نے سرحد شام پر قتل کر دیا تھا تو آنحضرتؐ نے تین ہزار جوان سرحد شام پر لڑائی کے لیے روانہ کیے تھے جن میں بڑے بڑے نامی اور خاندانی شرفائے

عرب تھے حتیٰ کہ خود آنحضرتؐ کے چچیرے بھائی جعفر طیار بن
ابی طالب بھی اُن میں موجود تھے۔ مگر ان سب پر اپنے غلام
زید بن حارثہ کو سردار مقرر کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ زید بن
حارثہ شہید ہو جائیں، تو اُن کی جگہ جعفر سردار مقرر ہوں گے،
اگر وہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر عبداللہ بن رواحہ سردار لشکر
تسلیم کئے جائیں اور اُن کے بعد لشکر اسلام اپنی مرضی سے
کسی کو سردار منتخب کر لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مقام موتہ
میں اہلِ اسلام کا بنی غسان اور لشکرِ روم سے جو تعداد میں
کثیر تھے، مقابلہ ہوا۔ زید بن حارثہ شہید ہوئے، پھر جعفر طیار
شہید ہوئے، پھر عبداللہ بن رواحہ شہید ہوئے۔ آخر لشکریوں
نے خالدؓ بن ولید کو سردار منتخب کیا۔ خالدؓ نے بڑی جانفشانی
سے لشکرِ اسلام کو دشمنوں سے بچایا اور بڑی خوش اسلوبی
سے مدینے میں واپس آئے۔ اُس وقت آنحضرتؐ نے خالدؓ
بن ولید کو سیف اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا۔ پھر آنحضرتؐ
نے زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہ کو لشکر کا سردار مقرر کر کے
سرحدِ شام پر جانے کا حکم دیا۔ اسامہ ابھی روانہ نہیں ہوئے
تھے کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی۔ صحابہؓ نے خلیفۂ اول سے
کہا: "اسامہ اور اُن کے لشکر کو روک لیا جائے اور مدینے کی
حفاظت کے لئے رکھ لیا جائے"۔ مگر خلیفۂ اول نے کہا: "جس

لشکر کو پیغمبر خدا نے سرحد شام پر جانیکا حکم دیا ہے، اُسے میں روکنا نہیں چاہتا۔" حالت خطرناک تھی، مگر خلیفۂ اول نے آنحضرت کے حکم کی پوری تعمیل کی۔ اس لشکر میں حضرت عمرؓ بھی اُسامہ کے ماتحت موجود تھے۔ آخر حضرت عمرؓ نے خلیفۂ اول سے کہا:

"اگر آپ اس لشکر کو سرحد پر بھیجنا ضروری ہی سمجھتے ہیں، تو کم از کم اس کا سردار تبدیل کر دیجئے اور کسی اور قابل شخص عرب کو اس پر مامور کیجئے۔" خلیفۂ اول یہ سُنکر حضرت عمرؓ پر سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے: "اے خطاب کے بیٹے! تم اس شخص کو معزول کرنے کی تحریک کرتے ہو جسے خود رسول خدا نے اس لشکر پر سردار مقرر کیا ہے!" حضرت عمرؓ دم بخود رہ گئے۔

پھر خلیفۂ اول نے اسامہ کو بلایا اور اُن سے کہا: تمہیں خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا سردار مقرر کیا تھا۔ اس لئے میں بھی تمہاری عزت کرتا ہوں اور تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اہل لشکر میں سے حضرت عمرؓ کو اجازت دو کہ وہ تمہارے ہمراہ سرحد پر جانیکے بجائے میرے پاس رہیں اور ہم کو اپنے مشورے سے خلافت کے کاروبار میں امداد دیتے رہیں۔" اسامہ نے بخوشی اجازت دے دی اور آپ مع لشکر سرحد کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ تمام باتیں میں نے اس لئے تمہیں یاد دلائی ہیں کہ تم اس بات

سے ملول نہ ہو کہ میں نے وامس ابو الہول کو تم پر سردار مقرر کیا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر لشکر اسلام کی امارت کا بوجھ میرے دوش پر نہ ہوتا، خود وامس ابو الہول کی ماتحتی میں ان کے ہمراہ جاتا۔"

یہ سن کر اُن کے دل خوشی سے بھر گئے اور کہنے لگے: "اے سردار! اگر آپ کسی غیر مسلم کو بھی ہمارے اوپر سردار مقرر کریں، تو بھی ہم بلا چون چرا آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ اور اس سردار کی دل و جان سے اطاعت کریں گے۔ ہم وامس ابو الہول کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں اور اُن کے حکم پر اپنی جان دینے پر تیار ہیں۔" وامس نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ابو عبیدہؓ سے کہا: "لشکر کا کمپ یہاں سے اٹھا کر تین فرسنگ پر پہنچا دیجئے اور ایک ہزار سوار ایک سردار کے ماتحت ہر وقت تیار رکھیئے۔ جب میں اطلاع دوں، اسی وقت وہ ہزار سوار قلعے کی طرف آئیں اور جب دروازے پر اللہ اکبر کی آواز سنیں، اُس طرف رُخ کریں اور جلد قلعے میں داخل ہو کر ہم سے مل جائیں۔ ہم اُس وقت خطرناک حالت میں ہوں گے، مگر اللہ نے چاہا، تو میں اس وقت تک زندہ ہوں گا جب تک عرب سوار قلعے میں داخل نہ ہو جائیں۔ اس سے آگے معاملہ صاف ہے اور اس ہزار سوار کی ہمت اور جرأت پر فتح و شکست منحصر ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے قلعے میں انہیں داخل کر دوں گا۔" وامس ابو الہول کی یہ جان نثاری اور جانبازی

دیکھ کر ابو عبیدہؓ کے دل میں رقت پیدا ہو گئی اور چشم پُرآب ہو کر کہنے لگے: "بے شک ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کی ہے۔ اور اُس کی نعمتوں کا اپنے آپ کو مستحق بنایا ہے۔" پھر خالدؓ کو مخاطب کر کے کہا: "اے ابا سلیمان! اس ہزار سوار پر تم سردار بنو۔ اُن کو ہمراہ لے کر قلعے میں جاؤ۔ اللہ نے چاہا تو تمہارے نام ہی سے دشمن کانپ جائیں گے۔ مگر اس بات کا ضرور خیال رکھنا کہ جب امان مانگیں تو فی الفور اُن کو امان دینا اور تلوار نیام کر لینا۔" ابو عبیدہ نے اُسی وقت لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ یہ خبر عام طور پر مشہور ہو گئی کہ اہلِ عرب نے تنگ آ کر قلعے کا محاصرہ چھوڑ دیا اور کسی اور طرف کا عزم کر لیا۔ قلعے والوں نے جو لشکرِ اسلام کو ہٹتے دیکھا، تو یوقنا سے کہا: "اے سردار! ہم کو اجازت دے کہ ہم اہلِ عرب پر حملہ کریں اور اُن کا مال اسباب لوٹ لائیں۔" یوقنا نے کہا: "تم بے وقوف ہو اور اہلِ عرب کو نہیں جانتے۔ اہلِ عرب کا کھلے میدان میں مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے اتنا مقابلہ صرف قلعے کی بدولت کیا ہے۔ ورنہ وہ کب کا ہم کو نیست و نابود کر دیتے۔ قلعے کے دروازے بدستور بند رکھو اور اتنا بھی غنیمت سمجھو کہ اس بلا سے ہم کو نجات ملی۔ آج تم سب خوشی مناؤ۔ مگر قلعے کے باہر کوئی نہ جائے اور دروازے بدستور بند رکھو جب تک کہ میں حکم نہ دوں۔" ادھر ابو الہول اپنے ہمراہیوں کو لے کر ایک گھاٹی کی طرف چلے گئے اور اُن سے کہا: "دو دن یہاں بسر کرو۔ جب

تاریکی ہو جائیگی، تو قلعے کی طرف چلیں گے" رات کو پھر دامس اُن کو ہمراہ لے کر قلعے کی طرف چلے۔ اور قلعے سے کچھ فاصلے پر اُن کو ٹھیرا کر آپ تنہا دبے پاؤں قلعے کے قریب پہنچے اور تمام قلعے کا چکر لگا کر اپنے ہمراہیوں کے پاس واپس آکر کہنے لگے :۔ "میں قلعے کے تمام برجوں کے نیچے گیا۔ سب برجوں سے آوازیں سنائی دیں، مگر ایک چھوٹا سا برج بالکل سنسان ہے۔ یا تو وہاں چوکیدار ہی نہیں۔ یا نیند کے مزے لے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آج قلعے والے خوب عیش کرتے ہونگے۔ اسی غرض سے میں نے لشکر اسلام کو محاصرہ اُٹھانے کی صلاح دی تھی۔ قلعے والے ہماری طرف سے اب بالکل مطمئن ہیں۔ اب تم میرے ساتھ چلو، لیکن یہ بات یاد رکھو کہ معاملہ بڑا خطرناک ہے۔ اور جان پر کھیلنے والی بات ہے۔ اگر کسی کو جان پیاری ہو، تو میرے ہمراہ نہ جائے، کیونکہ ایک آدمی کی بزدلی سے بعض وقت تمام کام بگڑ جاتا ہے"۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا :۔ "ہم میں کوئی بزدل نہیں۔ ہم جان دینے کو تیار ہیں، جو کچھ حکم دو گے، ہم اُس کی دل و جان سے تعمیل کریں گے"۔ دامس نے دو آدمیوں کو اُسی وقت ابو عبیدہؓ کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ایک ہزار سوار کا دستہ صبح ہونے سے پہلے قلعے تک پہنچ جائے اور باقی لشکر اس کے بعد آجائے۔ پھر اٹھائیس جوان لے کر دامس چھوٹے برج کے نیچے پہنچے اور فصیل کا اندازہ کر کے کہنے لگے :۔ "یہ فصیل سات آدمیوں کی

لمبائی کے برابر ہے۔ اس پر انہوں نے سات جوان چنے، جو جسم کے ہلکے تھے۔ اور اُن سے کہا: "میں نیچے کھڑا ہوتا ہوں، دوسرا آدمی میرے دوش پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو جائے۔ اور فصیل کو ہاتھ سے پکڑ لے۔ اس کے اُوپر تیسرا اور اُس کے اوپر چوتھا، علیٰ ہذا القیاس۔ ساتواں آدمی یہ رسّہ ہمراہ لے جائے۔ جب وہ فصیل کے کنگروں تک پہنچے، تو کنگرے پکڑ کر اُوپر چڑھ جائے۔ اور رسّہ نیچے لٹکا دے۔ پھر ہم باری باری اُوپر آجائیں گے۔ اگر بُرج میں چوکیدار سوتے ہیں، تو اُن کو قتل کر دے۔"

وامس نیچے کھڑے ہوئے، دوسرا آدمی اُن کے اُوپر کھڑا ہو گیا۔ اِسی طرح ساتواں آدمی فصیل کے کنگروں تک پہنچ گیا اور کنگروں کا سہارا لے کر اُوپر چڑھ گیا۔ وہاں دو چوکیدار بدمست و بیہوش پڑے تھے، اُن کا کام تمام کیا۔ اور رسّہ لٹکا دیا۔ دوسرے آدمی نے رسّہ پکڑ لیا اور پہلے نے اُس کو اوپر کھینچ لیا۔ اِسی طرح سب آدمی اُوپر چڑھ گئے۔

وامس نے اُن سے کہا: "تم سب بُرج میں بیٹھے رہو۔ تاریکی میں تم کو کوئی نہ دیکھے گا۔ میں دبے پاؤں ذرا قلعے کی خبر لاتا ہوں۔" وامس قلعے میں گئے۔ نظر بچا کر پھرتے رہے۔ ایک عالیشان مکان سے بہت آوازیں نکل رہی تھیں۔ وامس نے اُوپر جا کر دیکھا، تو رومی ضیافت کے مزے اُڑا کر بدمست ہو رہے تھے۔ اِسی طرح پھرتے ہوئے وہ دروازے کے قریب گئے۔ وہاں بھی پہرے والے بیہوش پڑے تھے مگر دروازہ زنجیروں سے بند تھا۔ وامس یہ حال دیکھ کر واپس آئے،

اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ مطلع تو صاف ہے اور اللہ تعالےٰ نے کام تو آسان کر دیا ہے۔ صرف بات یہ ہے کہ ہمارے ہزار سوار وقت پر پہنچ جائیں، خواہ ہم ہلاک ہو جائیں، قلعہ تو فتح ہو جائیگا۔ اُنیس جانوں کی کیا حقیقت ہے جبکہ اسلام کی فتح ہوتی ہے؟ اتنے تو روزانہ قتال کے شبخون ہی میں مرجاتے تھے۔ وقت آدھی رات کا ہے؟ اگر ہم صبح تک انتظار کریں، تو ممکن ہے کہ دروازے کے چوکیدار بیدار ہو جائیں اور اگر ہم اسی وقت قلعے پر قبضہ کرلیں، تو لڑائی شروع ہو جائیگی۔ معلوم نہیں ہم سواروں کے پہنچنے تک زندہ رہیں گے یا نہیں، اچھا، جو خدا کو منظور ہو۔ کم از کم ہم اپنا فرض تو ادا کر دیں گے۔ کوئی یہ تو نہ کہے گا کہ دامس ابو الھول نے اپنے کام میں سستی کی۔ چلو، میرے ہمراہ چلو، جاتے ہی چوکیداروں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دو" دامس مع اپنے ہمراہیوں کے دروازے پر جا پہنچے۔ چوکیداروں پر ہاتھ صاف کرنے سے پیشتر چند آدمیوں سے کہا: "تم دروازہ کھول دو اور ہم چوکیداروں کو قتل کرنا شروع کرتے ہیں۔" جب امس ابو الھول نے چوکیداروں کو قتل کرنا شروع کیا۔ تو ان میں سے کچھ بیدار ہو گئے اور چیخنے چلانے لگے۔ اُن کی چیخیں سن کر رومی بہادر لڑتے آئے۔ اتنے میں ابو الھول نے اپنے ہمراہیوں کو دیوار کے ساتھ دروازے کی طرف پشت کئے ہوئے کھڑا کر دیا۔ اور ان کو تاکید کر دی کہ دیوار کا سہارا ہرگز نہ چھوڑنا اور جو سامنے آئے اُسے قتل کرتے جانا۔ دروازے پر ہمارا قبضہ برابر رہے گا اور

دشمن ہمارے عقب میں نہ آسکیں گے۔ قلعے میں ایک شور مچ گیا۔
یوقنا سپاہیوں سمیت موقع پر پہنچ گیا۔ دامس اور اُن کے ہمراہی تھوڑے
تھے۔ اس لئے ان کے مقابل میں تھوڑے سپاہی ہو سکتے تھے۔
کیونکہ جگہ تنگ تھی۔ جو آدمی آگے بڑھتا، اُس کو قتل کر دیتے لڑائی
بڑے زور سے ہوتی رہی۔ دامس اور اُن کے ہمراہی زور شور سے
اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے رہے اور برابر دشمنوں سے لڑتے رہے
دامس کے ہمراہی اب قتل ہونے لگے۔ صبح ہونے کو تھی کہ دامس کے
آٹھ ہمراہی شہید ہو گئے، مگر دامس برابر تلوار چلائے جاتے تھے، گو
زخمی ہو رہے تھے۔ اتنے میں اُن کی تکبیر کے جواب میں باہر سے تکبیر
کا نعرہ سُنائی دیا۔ دامس اور اُن کے ہمراہی بڑے خوش ہوئے، شدت
کے ساتھ لڑنے لگے، کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا کہ عرب آپہنچے ہیں۔ اگر
وہ سب کے سب قتل ہو جائیں، تو بھی کیا مضائقہ ہے؛ خالد بن ولید
دامس کی آواز پر قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور رومیوں کو پیچھے ہٹا کر
قتل کرنا شروع کیا۔ تمام عرب گھوڑوں سے اُتر کر اندر آ گھسے اور
رومیوں کو تلواروں پر لے لیا۔ یوقنا فی الفور کھسک کر اپنے محل میں
جا پہنچا اور اُس کے ہمراہی بھی خالد کی تلوار کی تاب نہ لاکر "الامان!
الامان!" پکار اُٹھے۔ خالد نے فی الفور تلوار نیام کر لی اور اہل قلعہ کو
امان دے دی۔ دامس ابوالہول اور اُن کے ہمراہی بچ گئے، مگر سب
زخمی تھے۔ خود دامس کے جسم پر ستر زخم آئے تھے، مگر خدا کے فضل

سے ایک زخم بھی مہلک نہ تھا۔ وامس کی قدر و منزلت لشکر اسلام میں بہت بڑھ گئی اور اُن کی شجاعت، جاں بازی اور جاں نثاری کے سب قائل ہو گئے۔ خالدؓ بن ولید نے ابو عبیدہؓ کو اطلاع دی کہ قلعہ فتح ہو گیا، مگر یوقنا کہیں چھپ گیا ہے۔ اہل قلعہ سب امان مانگتے ہیں۔ اور آپ کی حفاظت میں آنے پر راضی ہیں۔ ابو عبیدہؓ اللہ کا شکر بجا لائے۔ اور خالدؓ سے کہا: "قلعے میں منادی کرا دو کہ جو شخص برضا و رغبت اسلام قبول کرے گا اُس کے حقوق اہل عرب کے برابر سمجھے جائیں گے۔ اور جو شخص اسلام قبول نہ کرے، مگر ہماری حفاظت میں خوشی سے آ جائے۔ اُس کو ہم کوئی دُکھ اور ایذا نہ دینگے۔ گو اہل قلعہ اس لائق ہیں کہ اُن کے ساتھ آئین جنگ کے مطابق سلوک کیا جائے اور اُن کو اسیری میں لیا جائے، مگر اُن کو معافی دی جاتی ہے۔" یہ منادی سُنتے ہی لوگ جوق در جوق قلعے سے نکل کر ابو عبیدہ کے پاس آئے اور معافی کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ بہتوں نے اپنی رضا و رغبت سے اسلام قبول کیا۔ خود یوقنا بھی منادی سُن کر ہاتھ باندھے ابو عبیدہ کے پاس آیا اور معافی مانگ کر عرض کی: "میں صدق دل سے مسلمان ہوتا ہوں مجھے اجازت دیجیے کہ لشکر اسلام کے ہمراہ رہوں اور جتنی تکلیف لشکر اسلام کو دی ہے، اس سے زیادہ اُن کی حمایت اور تائید کروں اور اللہ اور اُس کے رسولؐ سے سرخروئی حاصل کروں۔ مجھے سخت قلق ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے بھائی یوحنا کو ناحق قتل کیا۔ وہ سچا تھا اور آپ سے

مصالحت کرنے کی مجھے ترغیب دیتا تھا اور آپ کے حُسنِ سلوک کی تعریف کرتا تھا۔ جب میں نے آپ کی منادی سُنی کہ آپ آئینِ جنگ کے مطابق ہم سے سلوک نہ کرینگے۔ بلکہ ہمیں معافی دینگے۔ تو میں اُسی وقت اسلام کا قائل ہو گیا۔ اور میرے سینے میں نور چمکا، ورنہ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا۔ اور ہم اس طرح آپ کا کوئی قلعہ فتح کرتے تو اول تو تمام قلعے والوں کو خواہ وہ ہتھیار ڈالتے یا چلاتے، قتل کرتے، ورنہ اُن کو قید کر کے اُن کا مال و اسباب لُوٹ لیتے۔ مگر آپ کے ہمراہیوں نے جُوں ہی امان کی آواز سُنی، اُسی وقت تلوار نیام کر لی اور ایک پیسے کی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اور کسی عورت یا مرد کو ذرا اذیت نہیں دی۔ بیشک ایسی صفات سچے اور برحق نبی کے پیروؤں ہی میں ہو سکتی ہیں۔ اب میں اسلام کا ہوں اور میرا جو کچھ ہے اسلام کا ہے۔ میں نے جو تکالیف آپ کو اور سب اہلِ اسلام کو دی ہیں، وہ مجھے معاف کیجئے"۔ ابو عبیدہؓ نے کہا: "اسلام کا خاصّہ یہی ہے کہ جب کوئی دشمن معافی کا خواستگار ہو، تو اُس کو معافی دی جائے۔ ہمارے نبیؐ نے اُس عورت کو معافی دی تھی، جس نے سیّد الشہدا حضرت حمزہؓ کو قتل کرایا تھا اور اُس حبشی کو بھی معافی دی گئی، جس نے سیّد الشہدا حضرت حمزہؓ کو اُسی عورت کی تحریک سے شہید کیا۔ پھر آپ نے ان تمام اہلِ مکّہ کو جنہوں نے آپ کو سخت سے سخت ایذائیں دی تھیں، فتح مکّہ کے دن بالکل معاف کر دیا۔ معافی رحم، حلم، بردباری، خُلق، سخاوت اور انسانی ہمدردی اسلام کی خصوصیتیں

ہیں۔ آیندہ تمہیں بھی ایسا ہی کرنا پڑیگا۔ اے عبداللہ یوقنا! میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ اگر تم اسلام کی اعانت کروگے، تو اللہ تعالیٰ تمہارا معین ہوگا۔ سنو! مومن صادق کی غذا وہ ہے، جو اس کو میسر آئے اور لباس اُس کا اس قدر ہے، جو اس کے جسم کو ڈھانک رکھے اور گھر اس کا وہ ہے۔ جہاں وہ موجود ہو۔ تم اس بات سے دلگیر نہ ہونا کہ تم نے اپنا ملک، زینت، سرداری اور حکومت کو چھوڑ دیا ہے، کیونکہ سب چیزیں نیست ہونے والی ہیں، بلکہ تم خوش ہو کہ تم اُسے طلب کرتے ہو۔ جو باقی اور پائدار ہے۔ دُنیا کی نعمت جاتی رہتی ہے اور عاقبت کا ثمرہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ تم یقین کرلو کہ آج کے دن تم اُن گناہوں سے ایسے پاک اور مبرّا ہو۔ جیسے تم پیدائش کے وقت تھے۔ اس بات کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ کہ دُنیا مومن کا قید خانہ، قبر اس کی خواب گاہ، تنہائی اُس کی نشست گاہ، نصیحت اور پند اس کا شغل، قرآن اسکی بات چیت حکمت اس کا کلام، مٹی اس کا سونا، پرہیزگاری اس کا توشہ، صبر و قناعت اُس کا شعار، اللہ پر کامل بھروسہ اُس کا ایمان، عبادت اُس کا پیشہ اور بہشت اُس کا گھر ہے۔" یوقنا یہ پاکیزہ کلام سُن کر از حد متاثر ہوا اور اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت مانگی اور اُس کا نام عبداللہ رکھا گیا اور وہ اللہ کے سچے بندوں میں شامل ہوگیا۔ ابوعبیدہ رضؓ نے اُسی وقت حضرت عمر رضؓ کو قلعۂ حلب کے فتح ہونے اور یوقنا کے مسلمان ہوجانے کی اطلاع بھیجدی۔ اور واسن ابوالہول کی تدبیر، جوانمردی اور زخمی ہونے

کا بھی مفصل حال لکھ دیا اور روامس ابوالہول اور اُن کے ہمراہیوں کے زخم اچھے ہونے تک حلب میں قیام فرما کر سب سرداروں کو بلا کر پوچھا "اب تم مجھے کس طرف بڑھنے کا مشورہ دیتے ہو؟" سب نے عرض کی:۔ "اب انطاکیہ کی طرف چلنا چاہیئے۔ وُہ بڑا ضروری مقام اور قیصر روم کے ایشیائی علاقے کا پائے تخت ہے۔ اگر انطاکیہ پر ہمارا قبضہ ہو گیا تو رومیوں کا زور ٹوٹ جائے گا اور تمام علاقہ شام اہل عرب کے زیر نگیں ہو جائے گا۔" ابوعبیدہؓ نے یہ تجویز پسند کی اور حکم دیا۔ کہ لشکر کوچ کی تیاری کرے۔ راستے میں جو قلعے اور شہر آتے جائینگے اُن پر قبضہ کرتے ہوئے ہم انطاکیہ پر حملہ کریں گے۔ اور اللہ تعالےٰ نے چاہا، تو اُسے فتح کرلیں گے۔

۳۔ فتح انطاکیہ

ابو عبیدہؓ حلب سے روانہ ہو کر راستے میں تمام چھوٹے قلعوں اور شہروں کو فتح کرتے ہوئے انطاکیہ کے قریب پہنچے۔ تو لشکر کو تقسیم کر کے تین ہزار سوار پر سعید بن زید کو افسر مقرر کیا اور انہیں انطاکیہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد رافع بن عُمیرہ کو تین ہزار سوار پر سردار مقرر کر کے بھیجا۔ اس کے بعد تین ہزار سوار مالک بن اشتر کی سرکردگی میں روانہ کیے۔ ان کے بعد خالد بن ولید کو لشکر زحف کے ساتھ روانگی کا حکم دیا اور آپ باقی ماندہ لشکر اور اسباب وغیرہ لے کر سب سے پیچھے روانہ ہوئے۔ شاہ ہرقل کو جو انطاکیہ میں بیٹھا غم کھا رہا تھا اور جنگ یرموک کے بعد کوئی اور لشکر اہل عرب کے مقابل بھیجنے پر ابھی تک قادر نہ ہوا تھا۔ برابر اطلاعیں پہنچ رہی تھیں کہ آج فلاں شہر پر اہل عرب کا قبضہ ہو گیا۔ آج فلاں قلعہ اہل اسلام نے فتح کر لیا خصوصاً بیت المقدس پر اہل اسلام کا قبضہ ہو جانے سے اس کو سخت صدمہ پہنچا تھا مگر وہ کر ہی کیا سکتا تھا؟ اہل عرب کی پیش قدمی روکنے کو اس نے اپنی طرف سے بڑی کوشش کی، مگر وہ سمندر کا سیلاب روکے نہ رُک سکا۔ اب وہ انطاکیہ میں ایک کثیر لشکر لئے خاموش پڑا تھا۔ کہ اس کو اہل عرب کے انطاکیہ پر حملہ

کرنے کی اطلاع پہنچی۔ وہ بہت گھبرا گیا۔ اور اپنے سرداروں کو جمع کر کے کہا: "انطاکیہ شام کا آخری شہر ہے، جو اہل عرب کے ہاتھ سے اب تک محفوظ ہے۔ اگر اہل عرب کا انطاکیہ پر قبضہ ہو گیا، تو بس پھر تمام ملک شام اہل عرب کے زیر نگیں ہو جائیگا اور رومی اقتدار خاک میں مل جائیگا میری یہ خواہش رہی ہے کہ ایک دفعہ اہل اسلام کو شکست ہو، مگر عجیب بات ہے کہ انہوں نے ایک شکست بھی نہیں کھائی۔ ان کی ترقی کی رو اس زور سے چڑھتی جاتی ہے کہ اترنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ میں اس معاملے میں سخت حیران ہوں۔ میرے بڑے بڑے نامی سردار اور بہادر ملوک اہل عرب کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ میرے لاکھوں کا سپاہی ان کی تلوار کا لقمہ ہو گئے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ ان عربوں میں یہ طاقت اور ہمت کہاں سے آ گئی۔ ان کو ہم ایک ضعیف قوم سمجھتے تھے۔ بلکہ دنیا کی بڑی قوموں میں وہ کسی شمار ہی میں نہ تھے ہر سال ان کے قبیلے ننگے بھوکے ہمارے علاقوں میں آتے اور ہم انہیں اپنے ہاں پناہ دیتے۔ ان آباد کاروں سے بھی اپنے ریگستانی بھائیوں کے مقابل کچھ نہ ہو سکا۔ انہیں بھی ان جنگلی آدمیوں نے رومیوں کے ساتھ چیر پھاڑ ڈالا۔ مجھے اس قوم سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ نہ وہ کسی لالچ میں آتے ہیں، نہ کسی کا دباؤ مانتے ہیں۔ بڑھتے بڑھتے انطاکیہ تک آ پہنچے۔ بتاؤ، انہیں مغلوب کرنے کی کیا تدبیر کرنی چاہیئے" جبلہ بن ایہم غسانی، جو یرموک سے زندہ بچ کر مع اپنے چند ہزار ہمراہیوں کے انطاکیہ

میں پہنچ گیا تھا اور اس وقت بادشاہ کے مقربوں میں تھا، اُٹھا اور کہا:
"اے بادشاہ! میرے خیال میں ان عربوں کے غلبے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کا خلیفہ عمرؓ بڑا زبردست ہے۔ اگر ان کے خلیفہ کو کسی طرح قتل کر دیا جائے، تو یہ عرب یہاں سے بھاگ جائیں گے۔ وہ بڑا مدبر اور جری ہے اُسی کے سہارے یہ مسلمان لڑ رہے ہیں۔ اگر ان کا وہ سہارا ٹوٹ جائے تو پھر یہ ہمارے سامنے خس و خاشاک کی طرح اُڑ جائیں گے۔ ان کی اس قوت کو توڑنا چاہیئے۔" ہرقل نے کہا: "جو عرب ہمارے علاقے میں آ گئے ہیں، اُن کو تو ہم دفع کر نہیں سکتے۔ اُن کے خلیفہ پر، جو مدینے میں ہے کیونکر قادر ہو سکیں گے؟" جبلہ نے کہا: "اگر آپ اجازت دیں، تو مَیں اپنی قوم میں سے ایک جانباز آدمی مدینے بھیجتا ہوں، جو موقع پا کر اہلِ عرب کے خلیفہ کو قتل کر ڈالے گا۔" ہرقل نے کہا: "جب تک وُہ مدینے میں پہنچ کر خلیفہ عرب کو قتل کرنے کا موقعہ پائے گا، تب تک اہلِ عرب ہماری جانوں کے مالک ہو جائیں گے۔ پھر خلیفہ کے قتل سے ہمیں کیا فائدہ پہنچیگا؟ اس کی جگہ دوسرا مقرر ہو جائیگا۔" جبلہ نے کہا: "دوسرا ان میں عمرؓ کے برابر کا کوئی نہیں اور ہم عربوں کا بچ بچ کر مقابلہ کریں گے، ان کے گلے نہیں پڑینگے اور لڑائی کو طول دینگے، جب تک کہ ہمیں خلیفہ کے قتل کی خبر نہ پہنچ جائے۔" ہرقل نے کہا: "اچھا، یہ تدبیر بھی کر کے دیکھ لو۔" جبلہ نے اپنی قوم میں سے ایک شخص کو، جس کا نام واثق تھا، یہ ہدایت دیکر مدینے بھیجا۔ کہ جس طرح بن پڑے، اہلِ عرب کے خلیفہ کو قتل کر دے۔ واثق ابن

نیت سے مدینے کو روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر معلوم کیا کہ حضرت عمرؓ دوپہر کے وقت ایک کھجور کے نیچے چٹائی پر سویا کرتے ہیں۔ ایک دن موقع پاکر وہ اس درخت پر چڑھ کر چھپ رہا۔ جب حضرت عمرؓ درخت کے نیچے آکر چٹائی پر سو گئے۔ تو واثق نے درخت سے اُترنے کا ارادہ کیا۔ اسلامی مورخ بالاتفاق لکھتے ہیں کہ معاً اُسی وقت ایک شیر نمودار ہوا اور حضرت عمرؓ کے گرد چکر لگانے لگا۔ واثق کے تن میں یہ دیکھ کر لرزہ پڑ گیا اور حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی۔ شیر تو اسی وقت غائب ہو گیا اور واثق دہشت زدہ ہو کر حضرت عمرؓ کے پاؤں پر گر پڑا اور معافی مانگ کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے جب اس سے کیفیت پوچھی، تو اُس نے کل حال اپنا اور شیر کی موجودگی کا عرض کیا۔ حضرت عمرؓ نے سُن کر کہا: "ہر ایک انسان کی موت کا ایک وقت معین ہے۔ جب تک وہ وقت نہ آجائے، کوئی اُس کو قتل نہیں کر سکتا۔" اِدھر جبلہ کا آدمی، جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے، مدینے روانہ ہوا اور اُدھر شاہ ہرقل نے لشکر کو میدان میں نکلنے کا حکم دیا اور انطاکیہ کے باہر لشکرِ عرب کے انتظار میں کیمپ لگا دیا۔ بڑے بڑے نامی سرداروں کو دائیں بائیں پر مقرر کر دیا۔ اور جبلہ اور اُس کے ہمراہیوں کو اپنے آگے رکھا۔ اتنے میں ایک سوار نے ہرقل کو اطلاع دی کہ اہلِ عرب نے آہنی پُل پر قبضہ کر لیا۔ ہرقل نے متعجب ہو کر کہا: "کیا لشکرِ عرب آہنی پُل تک پہنچ گیا؟" سوار نے کہا: "سارا لشکر تو نہیں آیا، مگر اُن کا پیش رو دستہ جس میں تین ہزار جوان ہیں، پُل تک پہنچ گیا۔ محافظوں نے مزاحمت کی،

مگر اہلِ عرب نے اُن کو مغلوب کر لیا۔ ہرقل نے کہا: "اس صورت میں ہمیں اس سے آگے نہ بڑھنا چاہیئے، کیونکہ اہلِ عرب ہم سے بہت نزدیک ہو گئے ہیں۔" جب باقی لشکرِ اسلام آہنی پُل پر پہنچا، تو خالد بن ولید نے کہا: "ہمیں اسی جگہ کمپ لگانا چاہیئے۔ اور اپنے آگے کھلا میدان چھوڑ دینا چاہیئے۔ تاکہ ہم دشمن کا کھلے بندوں مقابلہ کر سکیں۔" ابوعبیدہؓ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور لشکرِ اسلام کو اسی جگہ اُترنے کا حکم دیا۔

دوسرے دن دونوں لشکر آراستہ ہو کر ایک دوسرے کے مقابل میدان میں پہنچے۔ رومی لشکر میں سب سے پہلے ایک بطریق لسطورس نامی، جو ایک لوہے کے بُرج کی طرح دکھائی دیتا تھا، مقابلے کے لئے نکلا۔ اسکے ڈیل ڈول کو دیکھ کر اہلِ عرب میں سے دامس ابوالہول گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں گئے اور لڑائی شروع ہوئی۔ کچھ دیر تک برابر وار پڑتے رہے، مگر کوئی غالب نہ آیا۔ اتنے میں دامس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور دامس کو لئے ہوئے گر پڑا۔ لسطورس انہیں گرفتار کر کے اپنے خیمے میں باندھ کر چھوڑ آیا۔ رومی بڑے خوش ہوئے اور اہلِ اسلام ملول۔ لسطورس پھر میدان میں شیر کی طرح گرجنے لگا۔ اہلِ اسلام میں سے ضحاک نکلے۔ ضحاک قدو قامت میں خالدؓ بن ولید کے مشابہ تھے۔ رومی سپاہ میں اکثر جوان ایسے تھے جنھوں نے خالدؓ بن ولید کو یرموک کی لڑائی میں دیکھا۔ اُنہوں نے ضحاک کو خالد سمجھ کر شور مچایا کہ اہلِ عرب کا نامی سردار میدان میں نکلا ہے جس نے روم کے مشہور سرداروں کو قتل کیا ہے اور شاہی لشکر کو بارہا شکست

دی ہے۔ یہ سن کر سب رومی سپاہی لڑائی دیکھنے کے لئے آگے بڑھے، اسی کش مکش میں لسطورس کے خیمے کی ایک چوب ہل گئی اس کے فراشوں نے چوب سیدھی کرنے کی کوشش کی، مگر اُن سے سیدھی نہ ہو سکی۔ تمام سپاہی اشتیاق کے ساتھ میدانِ جنگ میں لسطورس کی لڑائی دیکھ رہے تھے کسی نے فراشوں کی امداد نہ کی۔ آخر ایک فراش نے دوسرے سے کہا: "یہ عرب قیدی مضبوط معلوم ہوتا ہے۔ آؤ۔ اس سے مدد لیں۔" اُنہوں نے وامس کے بند کھول لے اور کہا: "چوب سیدھی کر دو، پھر ہم تمہیں باندھ دیں گے۔" وامس نے ہمت کر کے چوب سیدھی کر دی، اب دونوں فراش رسّی لے کر باندھنے آئے۔ وامس نے دونوں کی گردن پکڑ کے سر ٹکرا دیئے۔ اور مار ڈالا۔ لسطورس کے خیمے سے ایک آبدار تلوار اُٹھائی اور اپنی زرّہ کے اوپر اس کی ایک پوشاک پہن لی۔ پھر خیمے سے نکل کر وہ اس کے اصطبل میں گئے۔ اور تیز گھوڑے پر سوار ہو کر رومی فوج کے اس دستے میں، جو جبلہ بن ایہم کے ماتحت تھا، مل گئے۔ رومیوں کی توجہ میدانِ جنگ کی طرف اس قدر مائل تھی کہ کسی نے وامس کی طرف دھیان نہ کیا۔ ضحاک اور لسطورس برابر لڑ رہے تھے۔ دونوں نے ایسے کرتب دکھائے کہ ہر دو لشکر سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوتے رہے۔ رومیوں کو تو یہ خوشی تھی کہ لسطورس خالد بن ولید کا خوب مقابلہ کر رہا ہے اور اہلِ اسلام کو اس بات کی خوشی تھی کہ ضحاک پیلِ مست رومی کا خوب جواب دے رہے ہیں۔ لڑائی نے طول کھینچا۔ گھوڑے پسینے پسینے ہو گئے اور دونوں پہلوانوں

کے بازو تھک گئے، مگر کوئی غالب نہ آیا اور نہ کوئی زخمی ہُوا۔ آخر دونوں جُدا ہو کر اپنے اپنے فریق کی تحسین کے نعروں میں اپنے اپنے لشکر کی طرف پھر گئے۔ جب بسطورس خیمے میں پہنچا، تو فراشوں کو مُردہ اور رو امس کو گُم پایا وہ گھبرا کر بادشاہ کے پاس گیا اور کہا: "میرا قیدی میرے فراشوں کو مار کر بھاگ گیا۔ واقعی یہ عرب بڑی بلا ہیں" بادشاہ نے کہا: "کوئی سوار سوائے تمہارے ہماری صف کی طرف سے میدان میں نہیں گیا اگر وہ قیدی بھاگا ہے، تو ضرور ابھی تک رومی لشکر میں چھپا ہُوا ہو گا۔ تلاش کرو" رومی لشکر میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ وامس نے جو لشکر میں ہلچل دیکھی، تو سمجھے کہ معاملہ طشت از بام ہو گیا۔ اُنہوں نے ہمّت کر کے جبلہ کے بھتیجے حازم پر ایسی عجب دستی سے تلوار کا وار کیا کہ اس کا سر کاٹ کر الگ پھینک دیا۔ قوم غسّان یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئی، وامس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اور بجلی کی طرح غسانی فوج میں سے نکل کر لشکرِ اسلام میں جا ملے۔ رومی فوج یہ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئی۔ جبلہ کو سخت صدمہ ہُوا، جب اُس نے یہ سُنا کہ میرا بھتیجا حازم قتل ہو گیا۔ وامس کو صحیح سالم دیکھ کر لشکرِ اسلام میں خوشی کا نعرہ بلند ہُوا۔ وامس نے اپنی سرگزشت ابو عبیدہؓ کو سُنائی۔ وہ سُن کر کہنے لگے: "یہ سب تائیدِ ایزدی ہے۔ اِس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق مومنوں کی حمایت کر کے دشمنوں کو مبہوت کر رہا ہے" اُس دن اس سے زیادہ لڑائی نہ ہوئی اور دونوں

لشکر اپنے اپنے کیمپ کی طرف چلے گئے۔ شاہِ ہرقل پر اہلِ عرب کا اس قدر خوف غالب ہوا کہ اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اس نے اپنے ایک معتمد غلام سے، جو شکل و شباہت میں اس سے ملتا جلتا تھا کہا: "میں تجھے اپنی جگہ پر چھوڑتا ہوں۔ تو میرا لباس پہن لے اور میری جگہ دشمن کا مقابلہ کرتا کہ میں جان سلامت لے کر نکل جاؤں اور دشمنوں کے ہاتھ اسیر نہ ہو جاؤں"۔ یہ انتظام کر کے شاہِ ہرقل زر و جواہر لے کر راتوں رات خفیہ انطاکیہ سے نکل گیا اور اپنے جہاز پر سوار ہو کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ ابو عبیدہؓ کو کسی نے اطلاع دی کہ شہر انطاکیہ سمندر کے کنارے ہے اور سمندر کے راستے رومی فوج کے لئے غلہ اور رسد وغیرہ آتی ہے۔ اگر ایک دستہ فوج ساحل کی طرف بھیج دی جائے، تو رومیوں کی رسد وغیرہ سب مسلمانوں کے ہاتھ آئے گی۔ ابو عبیدہؓ نے معاذ بن جبل کو تین ہزار سوار دے کر ساحلِ سمندر پر بھیجا اور تاکید کی کہ دشمن کا جو سامان پاؤ، لوٹ لاؤ، معاذؓ نے ساحل پر ایک آفت مچادی اور جو سامان ہرقل کی فوج کے لئے سمندر کے راستے آتا، سب تاخت و تاراج کر کے لشکرِ اسلام میں بھیج دیتے اور جو شخص اُن کا مزاحم ہوتا، اُس کو تہ تیغ کرتے۔

دوسرے دن پھر لشکر آراستہ ہو کر میدان میں آئے۔ اہلِ اسلام نے آج رومیوں کو موقع نہ دیا کہ پہلوان باری باری سے میدان میں نکل کر لڑائی کو طول دیں۔ سب سے پہلے خالدؓ بن ولید نے مع اپنے لشکر کے دشمن پر حملہ کیا۔ پھر سعیدؓ بن زید نے، پھر رافع بن عُمیرہ نے، پھر ہبیرہ بن

مسروق نے، پھر مالک اشتر نے، پھر عمرو بن معدی کرب، ذوالکلاع حمیری، فضل بن عباس، واس ابوالہول، کعب بن عمیرہ اور دیگر شرفائے عرب نے مع اپنی اپنی قوم کے رومیوں پر حملہ کیا۔ رومی بھی آگے بڑھے اور دونوں لشکر باہم پیوست ہو گئے۔ رومی بھی آج مرنے مارنے کی قسم کھا کر آئے تھے۔ خوب جم کر لڑنے لگے۔ دونوں طرف سے بڑی شجاعت اور بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے۔ ضرارؓ بن ازور کے دوش بدوش اُن کی بہن خولہ بھی زرہ پہنے رومی فوج کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ اس قدر سخت لڑائی ہوئی کہ تلواروں کے ٹکرانے سے میدانِ جنگ گونج اُٹھا۔ عرب کے شیر اور دلیر رومی لشکر میں قتلِ عام کر رہے تھے۔ رومی کٹتے تھے اور اُن کی جگہ اور آ جاتے تھے۔ ہرقل کے غلام نے جس کا نام بالیس تھا، ایسا ڈھونگ بنائے رکھا کہ رومی سرداروں کو بادشاہ کے بھاگ جانے کی مطلق اطلاع نہ ملی۔ رومی سپاہ بادشاہ کو موجود سمجھ کر بے حد جاں بازی دکھا رہی تھی، مگر تابہ کے؟ آخر رومی تاب نہ لا کر پسپا ہوئے اور بیس ہزار گرفتار ہوئے۔ بالیس بھی گرفتار ہو گیا۔ اور بندھا ہوا ابوعبیدہؓ کے سامنے لایا گیا۔ اہلِ عرب کو خیال تھا۔ کہ وہ شاہِ ہرقل ہے، مگر بالیس سے پوچھا گیا، تو اُس نے کہا: "شاہِ ہرقل تو قسطنطنیہ میں ہے۔ میں اُس کا ادنیٰ غلام بالیس ہوں۔" جبلہ پھر جان بچا کر مع پانسو ہمراہیوں کے بھاگ گیا اور جہاز پر سوار ہو کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ باقی رومی قیساریہ کو بھاگ گئے اور کچھ پہاڑی علاقوں میں چلے گئے۔ بے شمار مالِ غنیمت اہلِ اسلام کے ہاتھ آیا اور سب

کے سب اس فتح عظیم پر اللہ کا شکر بجا لائے ، کیونکہ اب وہ تمام شام یعنی جنوبی اور شمالی دونوں حصوں کے مالک ہو گئے اور عرب کی سلطنت میں کل شام کا علاقہ شامل ہو گیا ۔ انطاکیہ کی فتح کے متعلق یورپین مورخ بیان کرتے ہیں کہ اہل عرب کا انطاکیہ کو فتح کرنا گویا عیسویت کے جگر میں تیز ہ مارنا تھا ، کیونکہ ایشیا میں یروشلم کے بعد انطاکیہ ہی ایک شہر تھا ، جو بوجہ عیسائی یادگاروں کے عیسائیوں کا نہایت متبرک اور مقدس مقام سمجھا جاتا تھا ۔ انطاکیہ ہی میں مسیح کے شاگردوں نے عیسویت کی پہلی بنا رکھی ، انطاکیہ ہی میں پولوس رسول نے پہلا دوسرا اور تیسرا سفر عیسویت پھیلانے کے لئے اختیار کیا ۔ انطاکیہ ہی میں رومی شہنشاہ ٹریجن نے اگناطیس کو ، جو انطاکیہ کا بشپ تھا ، ۱۰۹ء میں قتل کا فتویٰ دے کر روما میں بھیجا ، جہاں اس کو جنگلی خونخوار درندوں کے آگے ڈال کر مروا دیا گیا ۔ اور انطاکیہ ہی میں سینٹ جان کرسسٹم نے جس کو زریں دہاں کہتے تھے ، ۳۸۱ء میں عیسویت کی منادی شروع کی تھی ۔ جب اہل اسلام انطاکیہ میں داخل ہو گئے ، تو وہ شہر کی خوبصورتی ، اس کی عالی شان عمارات وسیع بازار ، پر فضا میدان ، سرسبز باغات اور مفرح آب و ہوا دیکھ کر دنگ رہ گئے ۔ اور بہت ہی خوش ہوئے ۔ وہ چاہتے تھے کہ وہاں کم از کم ان کو ایک مہینہ ٹھہرنے اور آرام کرنے کی اجازت ملے ، مگر ابو عبیدہ نے انطاکیہ کا سب انتظام کر کے تین دن کے بعد لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور حضرت عمرؓ کو مندرجہ ذیل خط لکھا ۔ ۔

آغاز خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے۔ الخ: یہ عامر بن جراح
عامل شام کی طرف سے امیر المومنین کی خدمت میں۔ آپ پر
سلامتی ہو۔ میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں، جس کے سوا
کوئی معبود نہیں اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا
ہوں۔ اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے پائے تخت
نصرانیت یعنی شہر عظیم انطاکیہ پر مسلمانوں کو فتح دی۔ اللہ
تعالیٰ نے ہماری مدد کی۔ رومیوں کو شکست ہوئی اور شاہ ہرقل
کشتی میں بیٹھ کر سمندر کے راستے فرار ہو گیا۔ میں نے انطاکیہ
کی آب و ہوا فرحت بخش ہونے کی وجہ سے اس میں قیام نہیں
کیا، مجھے خوف ہوا کہ میں اس کی آب و ہوا کا مسلمانوں پر برا
اثر نہ پڑے اور دنیا کی محبت ان پر غالب نہ آجائے۔ اور
اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں سستی نہ ہو جائیں۔ میرا
ارادہ ہے کہ حلب کی طرف جاؤں۔ میں آپکے حکم کا منتظر ہوں اگر
آپ حکم دیں، تو شام کے دروں اور گھاٹیوں کی طرف بڑھوں،
ورنہ یہیں ٹھیرا رہوں۔ امیر المومنین! بعض اہل عرب نے
رومی عورتوں سے شادی کرنے کا ارادہ کیا، تو میں نے انہیں
روک دیا۔ آپ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ پر اور تمام
مسلمانوں پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو۔"
یہ خط ہم خمس اوبعدہ رضی نے زین واہب کے حوالے کیا اور ان

کے ہمراہ حفاظتِ مال کے لئے ایک گارد کر دیا۔ زید بن وہب بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ اُس وقت مدینے میں ہلچل مچی ہوئی تھی اور لوگ اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے تھے۔ زید سمجھے کہ مدینے میں کوئی معاملہ درپیش ہے، جس کی وجہ سے یہ دوڑ دھوپ ہو رہی ہے۔ وہ اونٹنی سے اُترے اور ایک شخص سے پوچھا: "یہ شور و غل کیسا ہے اور مدینے میں کیا حادثہ درپیش ہے؟" جواب ملا: "حضرت عمرؓ حج بیت اللہ شریف کو جاتے ہیں اور لوگ اُن کے ہمراہ حج کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔" یہ سن کر زید حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ اُس وقت پاپیادہ چل رہے تھے اور اُن کا اونٹ اُن کے پیچھے جا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ کے دائیں جانب حضرت عباسؓ اور پیچھے ایک جماعت تھی۔ زید نے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب دیکر پوچھا: "تم کہاں سے آئے ہو؟" زید نے کہا: "میں امین الامت کا خط لے کر آیا ہوں اور آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو انطاکیہ پر شاندار فتح عطا کی۔" حضرت عمرؓ یہ سنتے ہی سجدے میں گر گئے۔ جب سر اُٹھایا، تو آپ کا چہرہ اور داڑھی خاک آلود تھے اور آپ یہ کہہ رہے تھے: "اے میرے اللہ! تیری اس نعمتِ کاملہ پر تیری حمد و ثنا کرتا ہوں اور تیرا شکر بجا لاتا ہوں۔" پھر خط کھول کر پڑھا۔ خط پڑھ کر آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے پوچھا: "اے امیر المومنینؓ! خوشی کے موقع پر رونے کا کیا محل ہے؟" حضرت عمرؓ نے کہا: "میں اس لئے رو رہا ہوں کہ ابوعبیدہؓ نے مسلمانوں

کے نفسوں پر سختی کی"۔ پھر حضرت علیؓ کو خط دے دیا۔ حضرت علیؓ نے پڑھ کر کہا: "واقعی ابو عبیدہؓ نے اچھا نہیں کیا مگر ابو عبیدہ بڑے متقی اور پارسا ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی خیر خواہی اور مآل اندیشی کے خیال سے ایسا کیا"۔ اس پر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور وہیں زمین پر بیٹھ گئے۔ پھر قلم دوات منگا کر ابو عبیدہؓ کو مندرجہ ذیل خط لکھا:-

اے اللہ رحمٰن و رحیم خدا کے نام سے۔ اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ کی طرف سے اُن کے عامل ابو عبیدہ بن جراح کے نام

تم پر سلامتی ہو۔ میں اُس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ اُس نے اپنی تائید سے مسلمانوں کو یہ نعمت عطا فرمائی اور پرہیزگاروں کے لئے عاقبت کی بھلائی مقرر فرمائی۔ وہ ہمیشہ ہر چیز پر مہربانی کرنے والا ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ تم انطاکیہ میں اُس کی خوش کن اور فرحت بخش آب و ہوا کی وجہ سے نہیں ٹھہرے۔ اللہ تعالےٰ نے نکوکار پرہیزگاروں پر پاک چیزیں حرام نہیں کیں وہ خود اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے: "اے پیغمبرو! تم پاک و طاہر چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو میں اُسے جانتا ہوں"۔ لہٰذا تمہیں لازم تھا کہ مسلمانوں کو محنت و مشقت کے بعد آرام دیتے اور انہیں اجازت دیتے کہ وہ کھانے کی

چیزوں سے محفوظ ہوں اور اپنے جسموں کو آرام دیں، کیونکہ اُن کے جسم دشمنوں سے لڑنے میں تکلیف اور دُکھ اُٹھاتے ہیں دشمنوں کے پیچھے درّوں اور گھاٹیوں میں جانے کا جو حکم تم حاصل کرنا چاہتے ہو، اُسے تم خود ہی بہتر سمجھ سکتے ہو، کیونکہ وہاں کے حالات تمہیں اچھی طرح معلوم ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ تم وہاں موجود ہو اور ہر چیز دیکھ رہے ہو۔ مجھے پورے طور پر واقفیت نہیں، کیونکہ میں دُور ہوں اور مجھ سے وہاں کے حالات پوشیدہ ہیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ درّوں اور گھاٹیوں میں تمہارا داخل ہونا اہل اسلام کے لئے مفید اور بہتر ہے، تو بے شک جاؤ۔ لیکن واقف کار آدمی راہ دکھانے والے ضرور ہمراہ لے جانا تاکہ درّوں اور گھاٹیوں میں ناواقفیت کے باعث لشکر اسلام حیران و سرگرداں نہ ہو۔ اگر کوئی تم سے صلح کرے، تو اُس سے صلح کر لو اور جو کچھ عہد ہو جائے۔ اُس کے پورے پابند رہو۔ کسی پر زیادتی نہ کرو۔ اور تم نے پوچھا ہے۔ کہ اہلِ عرب میں سے بعض آدمی رومی عورتوں سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ تو جو شخص ایسا کرنا چاہے، اُسے جائز طور پر کرنے دو، صرف اتنا خیال رکھو کہ کسی سے کوئی امر شریعت اسلام کے خلاف ظہور میں نہ آئے۔ تم پر اور تمام مسلمانوں پر سلامتی ہو"

یہ خط لکھ کر حضرت عمرؓ نے زید کے حوالے کیا کہ جس طرح خط لائے ہو اُسی طرح پہنچا بھی دو اور اللہ تعالیٰ سے اجر کے اُمیدوار رہو۔ زید خط لے کر چلنے کو تھے کہ حضرت عمرؓ نے کہا: "زید! ذرا ٹھہر جاؤ۔" اور اُسی وقت اپنے غلام کو حکم دیا کہ اُونٹ پر سے توشہ اُتار لاؤ۔ غلام نے دو تھیلیاں لا کر سامنے رکھ دیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک تھیلی میں سے چار سیر ستّو پیمانے میں بھرے، پھر دوسری تھیلی میں سے چار سیر کھجوریں نکال کر زید کے حوالے کیں اور کہا: "یہ عمرؓ کی طرف سے تمہاری دعوت ہے مجھے مجبور سمجھو کہ میرے مقدور اور امکان میں اتنا ہی کچھ ہے۔" پھر اُٹھ کر ازرہِ شفقت زید کے سر کا بوسہ لیا اور کہا: "اب میں تمہیں رخصت کرتا ہوں۔" زید اس شہنشاہِ عرب و شام کے توشے میں سے حصہ پا کر اور اُن کی اعلیٰ شفقت اپنے حال پر دیکھ کر دلی جوش سے بھر گئے اور اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ کچھ کلام نہ کر سکے اور اُس جوش بھرے دل کے ساتھ بغیر ذرا سستائے کے شام کو واپس روانہ ہو گئے۔ وہ ستّو اور کھجوریں اُن کے لئے نعمتِ عظمےٰ تھیں اور وہ سر کا بوسہ اُن کی تمام زندگی کو فرحت بخش بنانے کے لئے کافی تھا۔

۴۔ پہاڑی اضلاع پر چڑھائی

جب خلیفۂ ثانی کا خط ابو عبیدہ کے پاس پہنچا، آپ نے تمام سرداروں کو جمع کر کے خط سنایا اور کہا: "امیر المومنینؓ نے دروں اور پہاڑی اضلاع پر چڑھائی کا فیصلہ مجھ پر چھوڑا ہے۔ لیکن میں تمہارے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ اس لئے تم مجھے مشورہ دو کہ آیا پہاڑوں اور دروں میں لشکر کشی کی جائے یا نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہاں فوج کشی کرنا مشکل کام ہے اور بڑے خطرے کا سامنا ہوگا، مگر سوال یہ ہے کہ ہمارے لئے پہاڑی علاقوں پر تصرف کرنا ضروری ہے یا نہیں اور آیا ہم بغیر ان علاقوں پر قبضہ کئے شام میں محفوظ رہ سکتے ہیں یا نہیں۔"

ابو عبیدہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے مگر کسی نے ان کے سوال کا جواب نہ دیا۔ ابو عبیدہ نے دوبارہ سوال کیا۔ پھر بھی کوئی نہ بولا اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ آخر ابو عبیدہ نے نہایت جوش سے کہا: "بھائیو! تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ کیا تمہارا جوش سرد ہو گیا۔ اور تمہارا شوق ٹھنڈا پڑ گیا۔ کیا شجاعت کے بعد تم پر بزدلی غالب آگئی یا فتوحات کے بعد تم پر سستی اور کاہلی چھا گئی؟ کیا تم اپنے فرائض سے سبکدوش ہو چکے؟ کیا تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تھک گئے؟ کیا تم میدانِ جنگ میں

تکالیف سے منہ پھیر کر نرم بستروں پر لیٹنا پسند کرتے ہو؟ کیا شام کی آب وہوا نے تمہاری طاقتیں زائل کردیں؟ بیشک تم شام کی شاداب زمین کے مالک بن گئے۔ مگر یاد رکھو کہ جس طرح تم نے اپنا خون بہا کر یہ وراثت حاصل کی ہے، اُسی طرح تم کو یہ سرزمین اپنے قبضے میں رکھنی پڑیگی۔ ورنہ دشمن جو ہر وقت تمہاری گھات میں بیٹھا ہے، تم کو کاہل اور سُست پاکر فی الفور اس سرزمین سے نکال دیگا۔ تمہارا دشمن بڑا زبردست اور طاقتور ہے۔ محض اللہ کی تائید سے تم اُس پر غالب آئے ہو، لیکن اگر اسی طرح سینہ سپر ہوکر دشمن کے مقابل کھڑے نہ رہو گے۔ تو دشمن تم پر غالب آجائیگا۔ اور تم کو حسرت اور یاس کا منہ دیکھنا نصیب ہوگا۔ تم اللہ کی برگزیدہ قوم ہو اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے لئے چُن لیا ہے، تم اللہ کے ہو اور اللہ تمہارا ہے۔ پھر کیا سبب ہے کہ تم خاموش ہو گئے اور میرے سوال کا جواب نہیں دیتے"؟ اس پر میسرہ بن مسروق نے عرض کیا "اے امین الامت! ہمارا جوش ٹھنڈا نہیں ہوا، نہ ہمارا شوق سرد ہوا اور نہ ہم پر کاہلی اور سُستی چھائی، نہ ہم میں بُزدلی آئی۔ خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تھک جائیں ہمارا گوشت پوست، ہماری جان، ہماری رُوح، سب کچھ اللہ کی راہ پر نثار ہے۔ ہم یہاں سوداگری کرنے نہیں آئے ہیں اور شاداب زمینوں میں عیش کرنے کے لئے گھر سے نہیں نکلے، ہم تو محض اللہ اور رسُول کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں اور شوقِ شہادت ہمیں اس جگہ تک لے آیا ہے۔

ہم خاموش نہیں تھے، بلکہ اس انتظار میں تھے کہ کون ہم میں سے پہلے بولتا ہے۔ آپ مہربانی کر کے ہمیں حکم دیں، ہم اپنی جانیں فدا کرنے پر تیار ہیں کیسی ہی کٹھن منزل کیوں نہ ہو، کیسے ہی دشوار گذار پہاڑ ہماری راہ میں کیوں نہ ہوں، کیسی ہی مصیبت اور دُکھ کا سامنا کیوں نہ ہو۔ ہم اپنا سینہ سپر کرنے کو تیار ہیں۔ ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ آپ جس طرف جانے کا حکم دیں گے ہم بسر وچشم اُس کی تعمیل کریں گے" یسرہ بن مسروق سے دیگر سرداروں نے بھی اتفاق کیا۔ اس پر ابو عبیدہؓ بڑے خوش ہوئے اور کہا:" اے مومنو! اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل و کرم کرے۔ بے شک مجھے تم سے ایسی ہی اُمید ہے" پھر خالد بن ولید کو مخاطب کر کے کہا: اے ابا سلیمان! تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے" خالدؓ نے کہا:۔ میری رائے میں مشرق کی طرف دریائے فرات کے کنارے تک لشکر کشی کرنی چاہیئے۔ اور شمال کی جانب پہاڑی اضلاع کو مسخر کرنا چاہیئے۔ اسطرح شام کا علاقہ محفوظ ہو جائے گا۔ اور دشمن کی کوئی فوج ناگہاں ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیگی اس پر ابو عبیدہؓ نے کہا:" اے ابا سلیمان! مشرقی علاقے کو دریائے فرات تک تو تم مسخر کرو اور پہاڑی اضلاع کی طرف میسرہ بن مسروق کو بھیجتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہے" جب ابو عبیدہؓ خالد بن ولید کو مختصر سا لشکر دے کر مشرقی علاقے کو روانہ کر چکے، تو آپ نے میسرہ بن مسروق عبسی کو پہاڑی اضلاع کی طرف بھیجنے کی تیاری کی۔ آپ نے تین ہزار یمنی جوان مختلف اقوام، یعنی کندہ، طے، لخم اور مذحج وغیرہ سے منتخب کئے۔ پھر ایک

ہزار غلام ایک پورے شہر آزمائے ہوئے چھنے اور ان غلاموں پر داس اوالہوں کو سردار مقرر کرکے فرمایا: "اے داس! تم کو میسرہ کے لشکر کا ہراول مقرر کیا جاتا ہے۔ تم اس لشکر کے آگے آگے رہنا اور میسرہ کے حکم کی پوری تعمیل کرنا۔" داس نے کہا: "میں بخوشی خاطر اپنے سردار کے احکام کی تعمیل کروں گا۔ اور اسلام کی خدمت میں جان پر کھیلنے سے دریغ نہ کروں گا۔" ابو عبیدہ رضی یہ کلمات سن کر خوش ہوئے اور آپ نے میسرہ بن مسروق سے فرمایا: "اے میسرہ! میں تمہیں دروں اور پہاڑوں پر بھیجتا ہوں جہاں کی مجھے کچھ خبر نہیں اسی وجہ سے میں نے مختصر سا لشکر تمہارے ساتھ کیا ہے تاکہ تم باآسانی دروں اور پہاڑوں سے گزر سکو۔ معلوم نہیں، دشمن کہاں کہاں گھات میں بیٹھے ہوں بڑی احتیاط رکھنا اور لشکر کے آگے جاسوس بھیجتے رہنا تاکہ وہ راستے کے حالات سے آگاہ کرتے رہیں۔ اپنے لشکر کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالنا۔ اگر کہیں لشکر کثیر سے مقابلہ پیش آئے اور تم اس کے مقابلے کی طاقت نہ پاؤ تو مجھے اطلاع کر دینا تاکہ میں تمہیں بروقت کمک روانہ کر دوں۔ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور ان کو راضی رکھنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا۔ وہ یہ تمہارا اعلم ہے۔ اللہ تمہارا نگہبان ہو۔" جب تیاری ہو چکی، تو قوم طے کے جوانوں نے باہم شکایت کی کہ امین الامت نے عامین کے ایک آدمی کو سردار مقرر کیا اور علم اس کے ہاتھ میں دیا، حالانکہ ہماری قوم شاہی نسل سے ہیں اور ہم میں شہزادے اور رئیس موجود ہیں۔ پھر کیوں نہ ہم میں سے کسی کو اس فوج کا سردار نہیں

بنایا گیا اور بیاسے رئیس اور شہزادے کے میسرہ بن مسروق عبسی کو مقدم دیا گیا ہم کسی بیٹے شجاعت میں کم نہیں۔ تمام معرکوں میں ہم نے شدید قتال کیا اور فتوحات شام میں حصہ لیا۔ جب اس شکایت کی اطلاع ابوعبیدہؓ کو پہنچی، تو آپ نے بنی طے کو اپنے سامنے بلایا اور کہا۔ آل طے بیشک تم ایک شجاع قوم ہو۔ اور تم نے شام کے معرکوں میں نہایت جانفشانی کی ہے۔ اور دشمنوں اور کافروں کا سختی سے مقابلہ کیا ہے۔ مگر تم کو اس بات پر مغرور نہ ہونا چاہیئے، کہیں تمہارے عمل ضائع نہ ہو جائیں کیونکہ تم خوب جانتے ہو کہ ہم کو جس قدر غلبہ دشمنوں پر حاصل ہوا ہے، وہ ہماری شجاعت اور مردانگی کی وجہ سے نہیں ہوا۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی تائید سے ہوا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ تو کوئی تم پر غالب نہ ہو گا۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی ہمت اور جرأت پر نہ اترائیں، بلکہ نصرت خاص اللہ کی طرف سے سمجھیں۔ یہی یہ بات کہ میں نے قوم عبس کے ایک آدمی کو تم پر سردار مقرر کیا ہے۔ حالانکہ تمہاری قوم شاہی خاندان سے ہے اور تمہارے ہمراہ دیگر شاہی قومیں بھی اسی عبسی سردار کے ماتحت رکھی گئی ہیں، سو اس کے متعلق تم اس بات کو بخوبی ذہن نشین کر لو۔ کہ اسلام میں سرداری کا معیار شاہی یا خاندانی ریاست پر نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں کو سبقت دی جاتی ہے، جو پہلے اسلام لائے، جن کے ایمان مضبوط ہیں اور جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں اسلام کا کامل نمونہ ہیں۔

اس لحاظ سے میسرہ بن مسروق کو تم پر فوقیت حاصل ہے اور اسی وجہ سے میں نے اسے تم پر سردار مقرر کیا ہے"۔ جب آلِ طے نے ابو عبیدہؓ کی یہ تقریر سنی، تو سرِ تسلیم خم کیا اور کہا:"آپ ہمیں معاف کریں۔ واقعی ہم سے غلطی ہوئی۔ بیشک جو لوگ پہلے اسلام لائے۔ اسلام کی خاطر انہوں نے سخت صعوبتیں اٹھائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت میں زندگی بسر کی، وہ ہر طرح ہم پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اب ہمارا اطمینان ہو گیا۔ آپ ہمیں کسی سردار کے ماتحت بھی روانہ کریں، ہم بخوشئ خاطر اس کے حکم کی تعمیل کرینگے اور اسلام کی خدمت میں اپنی جان دینے سے دریغ نہ کریں گے"۔ ابو عبیدہؓ یہ سُن کر خوش ہوئے اور اُن کے حق میں دُعائے خیر کر کے میسرہ بن مسروق کو روانگی کا حکم دیا۔ اس پر میسرہ نے عرض کی:"اے امین الامت! ہم ایسے علاقے میں جاتے ہیں جس کے حالات سے ہم مطلق ناواقف ہیں اور ضرور ہے کہ بوجہ ناواقفیت کے ہم راہ گم کر دیں یا کسی نااندیشیدہ مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔ آپ کوئی واقف کار آدمی ہمارے ہمراہ کریں، جو اس علاقے کے راستوں سے واقف ہو اور ہمیں سیدھے راستے پر لے چلے"۔ ابو عبیدہؓ نے کہا:"تم نے مجھے ایسی بات یاد دلائی، جو میں بھول ہی گیا تھا"۔ ابو عبیدہؓ نے چار امیر جو اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھے، میسرہ کے ساتھ کر دیئے، اور اُن سے کہہ دیا:"اگر تم نے اس کام کو بخوبی انجام تک پہنچایا، تو تم کو حسبِ خواہ انعام دیا جائے گا۔ اور علاوہ اس کے اس خدمت کے

کے عوض ہمیشہ کے لئے جزیہ معاف کر دیا جائے گا" بیسرہ بن مسروق ابو عبیدہ سے مصافحہ کر کے اللہ کا نام لے کر رخصت ہوئے۔ رہبر اُن کے آگے آگے روانہ ہوئے۔ راستہ بڑا دشوار گذار تھا۔ پانچ دن سفر کی سخت صعوبت اُٹھانے کے بعد لشکرِ اسلام ایک وسیع وادی میں پہنچا جس کو مرج القبائل کہتے تھے اور اس کے آگے ایک بڑا شہر قورس نامی آباد تھا۔ بیسرہ بن مسروق نے وادی کشادہ دیکھ کر لشکر کو قیام کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا: "ہم اپنے صدر مقام سے بہت دُور نکل آئے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ خود یہاں قیام کر کے دشمن کے حالات کا پتہ لگائیں" یہ کہکر چند سوار چار طرف خبر لانے کے لئے دوڑائے۔ شام کے قریب دو سوار ایک کوہستانی آدمی کو پکڑ لائے اور بیسرہ کے روبرو پیش کیا۔ بیسرہ نے رہبروں کو بلا کر کہا: "اس شخص سے بات چیت کر کے دشمن کے حالات دریافت کرو" رہبر نے کوہستانی سے گفتگو شروع کی اور اس کے بعد بیسرہ سے کہا: "یہ شخص کہتا ہے کہ شاہِ ہرقل نے انطاکیہ سے رخصت ہوتے وقت ایک معتمد سردار اس طرف روانہ کیا تھا کہ پہاڑی علاقے کی جنگجو قوموں کو جمع کر کے دروں اور پہاڑوں کی حفاظت کرے تاکہ اہلِ عرب دروں پر قابض نہ ہو سکیں۔ اُس افسر نے علاقے کے تمام سرداروں سے فوج جمع کر لی ہے۔ اور اس علاقے کے باہر حفاظت کے لئے ڈیرا لگایا ہے۔ اور دُور دُور تک جاسوس مقرر کر رکھے ہیں۔ چنانچہ ہمارے لشکر کی آمد کی اطلاع اس کو مل گئی اور وہ ہمارا مقابلہ

کرنے کے لئے تیار ہے۔" ہبیرہ نے پوچھا: "دشمن کا لشکر اس جگہ سے کتنے فاصلے پر ہے؟" کوہستانی نے کہا: "تقریباً دو فرسنگ ہوگا۔" ہبیرہ نے پوچھا: "اُن کی تعداد کس قدر ہے؟" کوہستانی نے کہا: "تخمیناً تیس ہزار ہوگی۔" اس پر ہبیرہ نے پوچھا: "کیا لڑائی کے لئے وہاں میدان وسیع ہے؟" کوہستانی نے کہا: "نہیں، اس سے بڑا میدان اس علاقے بھر میں نہیں ہے۔" اس پر ہبیرہؓ بن مسروق نے کہا: "بہتر ہے کہ ہم یہیں دشمن کا انتظار کریں، کیونکہ ہماری قلت کا حال معلوم کر کے ضرور ہے کہ دشمن خود ہم پر حملہ آور ہو۔" واسں اور دیگر سرداروں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اس پر ہبیرہؓ نے اپنے کیمپ کے ارد گرد پہرا لگا دیا اور چند سوار لشکر سے کچھ فاصلے پر آگے بھیج دیئے تاکہ دشمن کی آمد کی اطلاع دیتے رہیں۔ دوسرے دن ہبیرہؓ کے سوار خبر لائے کہ دشمن کی فوج اُن کی طرف آ رہی ہے۔ ہبیرہؓ نے اپنی فوج کو ہوشیار کر کے آراستہ کر لیا، مگر رومی فوج نے اُس دن حملہ نہ کیا، بلکہ اسلامی لشکر کے مقابل ڈیرا لگا دیا۔ صبح ہوئی، تو دونوں لشکر جنگ کے لئے تیار ہوئے۔ ہبیرہؓ نے میدانِ جنگ میں جانے سے پیشتر اپنی فوج کو یُوں خطاب کیا:

"میرے بھائیو! یہ پہلا اسلامی لشکر ہے، جو ان دروں میں داخل ہوا ہے اور تم پہلے مسلمان ہو جنہوں نے یہاں نماز پڑھی ہے اور توحیدِ الٰہی کی صدا بلند کی ہے۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھو۔ کہ دُنیا عارضی ہے؛ مگر آخرت کا گھر پائدار اور ہمیشہ رہنے والا ہے تم آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے اس قول کو دھیان میں رکھو کہ بہشت تلوار کے سائے میں ہے
اس لئے تم اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کا خیال نہ رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے اپنے پاک کلام میں فرمایا ہے۔ کہ تھوڑی جماعت بہت پر غالب
آتی ہے اور اللہ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اے میرے
بھائیو! میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے
آپ کو اس قوم کی مانند سمجھو، جس کی اجل قریب آ گئی ہے اور اس کے لئے
موت سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں رہی، مگر بہشت کا دروازہ اس کے
لئے کھلا ہے اور بہشت کا سرو سامان اس کو دکھائی دے رہا ہے،
جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے لئے اس میں مہیا کر رکھا ہے
پس تم جلدی کرو۔ اور اس میں داخل ہو جاؤ۔ اور ہمیشہ کیلئے اللہ تعالیٰ
کی نعمتوں کے مزے چکھ کر خوش و خرم ہو۔

اس تقریر کے بعد لشکر اسلام میدان میں نکلا۔ میسرہؓ نے اپنے لشکر
کی صفیں درست کیں اور واثلہ کو مع ایک ہزار غلام کے لشکر کے آگے
رکھا۔ دائیں بازو پر عبداللہ بن حذافہ کو مقرر کیا۔ اور آپ عقب لشکر میں
کھڑے ہو کر دشمن کے حملے کا انتظار کرنے لگے۔ رومی افسر نے بھی اپنے
لشکر کو میدان میں نکال کر آراستہ کیا۔ اور دس ہزار سوار کے تین دستے
تجویز کر کے دائیں بائیں اور عقب میں کھڑے کئے۔ سب سے پہلے
رومی فوج سے ایک پہلوان نکلا اور میدان میں آ کر جنگ طلب کیا۔
لشکر اسلام میں سے واثلہ ابوالہول اس کے مقابل ہوئے اور چشم زدن

میں اپنا نیزہ رومی پہلوان کے سینے کے پار کر دیا۔ اس کو گرتے دیکھ کر رومی لشکر سے دوسرا پہلوان نکلا۔ مگر اُس کو بھی واسس نے نہ سنبھلنے دیا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ رومی یہ سبکدستی دیکھ کر گھبرا گئے اور پھر کسی نے واسس کے مقابلے پر نکلنے کی جرأت نہ کی۔ واسس برابر میدان میں للکارتے رہے۔ آخر رومیوں کی ایک صف نے یک بارگی حملہ کر دیا۔ اسلامی لشکر بھی آگے بڑھا اور دونوں باہم مل گئے۔ واسس اور اُن کے ہمراہی غلاموں نے رومیوں میں ایک طوفانِ قیامت برپا کر دیا۔ مگر رومی برابر جمے لڑتے رہے۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ آخر دونوں لشکر جدا ہوئے اور اپنے اپنے کیمپ میں آرام کرنے کے لئے چلے گئے اُس دن اہلِ اسلام کے پچاس آدمی شہید ہوئے، مگر رومی لشکر میں سے گیارہ سو میدان میں کام آئے۔ دوسرے دن پھر دونوں لشکر آراستہ ہو کر نکلے اور میسرہؓ نے اپنے ہمراہیوں کو یوں خطاب کیا۔

"اے لوگو! میں تم کو عالمِ آخرت یاد دلاتا ہوں۔ تم اچھی طرح سے جان لو کہ عالمِ آخرت میں جانا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تم میدان سے پیٹھ پھیر کر اپنے اہل و عیال کی طرف جاؤ۔ تم کو آخرت کی طرف اس شوق اور اشتیاق کے ساتھ قدم اُٹھانا چاہیئے۔ جس طرح ایک بچہ اپنی ماں کی طرف دوڑ کر جاتا ہے۔ تم دشمنوں سے ہرگز خوف نہ کھاؤ۔ اور اسطرح میدان سے مُنہ نہ موڑو۔ جیسے کہ بکری شیر سے مُنہ پھیرتی ہے، ورنہ دشمن تم پر غالب آجائیگا۔ اور تم ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔

اور دین و دنیا میں خسارہ اٹھاؤ گے۔" اس تقریر کا حاضرین پر اتنا اثر ہوا کہ تمام لشکریوں نے تلواریں نیام سے کھینچ کر نیام توڑ ڈالے اور کہا: "ہم عہد کرتے ہیں کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے، لڑائی سے منہ نہ موڑیں گے۔ اور دشمن سے برابر لڑتے رہیں گے تا اینکہ میدانِ جنگ میں شہادت نصیب ہو۔" میسرہ بن مسروق نے کہا: "میرے بھائیو! مومنوں کو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ تم نے کیا ہے۔ میری عین آرزو ہے کہ ہم کو اس میدان میں شہادت نصیب ہو اور ہم اللہ اور اس کے رسول سے سرخ روئی حاصل کریں۔ مگر میری یہ بھی تجویز ہے۔ کہ ہم امین الامت کو اس حال کی اطلاع دے دیں تا کہ اگر مناسب سمجھیں، تو کمک ارسال کر دیں، ورنہ ہم نے جو کچھ ارادہ کیا ہے وہ تو ہم کر ہی گزریں گے۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا: "اس میں کوئی حرج نہیں۔" میسرہ نے ایک رہبر کو بلا کر کہا: "تم جلد لشکرِ اسلام میں جاؤ اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے، اس سے سپہ سالارِ لشکرِ اسلام کو اطلاع دو۔" رومی بھی جوش و خروش کے ساتھ میدان میں نکلے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور وہ امید کرتے تھے۔ کہ آخر کار وہ اہلِ عرب کو نیست و نابود کر دیں گے۔ لڑائی شروع ہوئی اور سخت خون ریز ہوئی مگر کسی فریق نے پیٹھ نہ پھیری اور شام کو دونوں لشکر اپنی اپنی آرام گاہ میں چلے گئے۔ اسی طرح کئی دن تک لڑائی کا بازار گرم رہا۔ رومی ہر روز بکثرت مارے جاتے تھے، مگر ابھی تک وہ برابر جم جم کر میدان میں

آتے جاتے تھے۔ جب رہبر ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچا۔ تو آپؓ نے اُس سے پوچھا: "میسرہ بن مسروق اور اُن کے ہمراہیوں کا کیا حال ہے؟" رہبر نے کہا: "مرج القبائل کے میدان میں تیس ہزار رومی لشکر سے اہلِ عرب جنگ کر رہے ہیں۔ اہلِ عرب نے اپنی تلواروں کے نیام توڑ ڈالے ہیں۔ اور یہ عزم کر لیا ہے کہ جب تک ان کے دم میں دم ہے برابر دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہیں گے۔ میرے سامنے صرف ایک لڑائی ہوئی تھی اور رومیوں کے بکثرت آدمی کام آئے تھے، مگر رومیوں کی تعداد کثیر ہے۔ اور سپاہی بھی کوہستانی ہیں۔ اور بڑی سخت لڑائی لڑتے ہیں معلوم نہیں۔ اگر آپ کے سپاہی اب تک زندہ ہیں یا سب کے سب قتل ہو گئے۔ اگر آپ کو ان کی امداد کرنی ہو، تو جلد کیجئے" ابو عبیدہؓ یہ سُن کر غمگین ہو گئے۔ اور جناب باری تعالیٰ میں دُعا کی: "اے پروردگارِ عالمیان ہم صرف تجھ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ تو ہی ہمارا والی اور مولا ہے، اپنے جاں نثار بندوں پر رحم و فضل کیجیو اور ان کو دشمنوں کے گزند سے محفوظ رکھیو" پھر جلدی اُٹھ کر آپ خالد بن ولید کے خیمے میں گئے، جو دریائے فرات کی مہم سر کر کے ابھی واپس آئے تھے، ابو عبیدہ نے خالد کو کل حال سُنایا۔ اور کہا: "اے ابا سلیمان اگر تم ابھی ایک مہم سر کر کے آئے ہو۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تم جلد اپنے بھائیوں کی مدد کو پہنچو، کیونکہ دشمن بکثرت ہیں اور انہوں نے مٹھی بھر اسلامی فوج کو گھیر رکھا ہے۔ گو انہوں نے مرنے مارنے کی ٹھان کر نیام توڑ ڈالے ہیں اور میرا یقین

ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی تائید کرے گا، مگر پھر بھی میں مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ تم تین ہزار چیدہ جوان لے کر فی الفور اُن کی امداد کو پہنچو۔" خالد بن ولید نے کہا:" اے امین الامت! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری تائید کی ہے اور ہم کو دشمنوں کے مقابل ذلیل اور ضعیف نہیں کیا۔ میں اُس کی حمد بجا لاتا ہوں۔ کہ اُس نے ہمیں مصیبت کے وقت صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں صبر کریں گے۔ اللہ اُن کے ساتھ ہوگا۔ اے امین الامت! آپ گھبرائیں نہیں، اللہ تعالیٰ ضرور ہمارے لشکر کی تائید کرے گا۔ میں بھی اُن کی امداد کے لئے تیار ہوں۔ مجھے آرام کی ضرورت نہیں۔ خدا کرے کہ مجھے میدانِ جنگ میں شہادت کا رتبہ ملے اور اس طرح دائمی آرام و راحت نصیب ہو۔ آپ لشکر کو تیاری کا حکم دیں، میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" ابوعبیدہؓ نے فی الفور تین ہزار جوان تیار کر کے خالد بن ولید کے ہمراہ روانہ کر دیئے۔ اِدھر سے کمک روانہ ہوئی۔ اُدھر میسرہؓ کے ہمراہی ہر روز میدان میں نکلتے اور شام تک مقابلہ کر کے کیمپ میں واپس آ جاتے۔ رومی بھی اُن کی ثابت قدمی دیکھ کر عش عش کر اُٹھے۔ مگر وہ یہ خیال ضرور کرتے تھے۔ کہ آخر کب تک اہل عرب لڑتے رہیں گے۔ انجام کار وہ ضرور مغلوب ہو جائیں گے۔ ایک دن رومی سپہ سالار نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا۔ کہ اہل عرب یکبارگی حملے میں مغلوب نہیں ہوتے بہتر یہ ہے کہ کسی طرح اُن کے چند سردار مارے جائیں۔ جو میدان

ہیں نہایت جانبازی سے لڑتے ہیں۔ اور ہماری صفیں اُلٹ دیتے ہیں۔ اگر وہ مارے گئے، تو باقی لشکر سراسیمہ ہو کر بھاگ جائیگا۔ یہ تجویز کر کے وہ رومی سردار جس کو شاہِ ہرقل نے اس علاقے میں بھیجا تھا۔ اور جس کا نام قلیص تھا، ہر طرح سے مسلح ہو کر میدان میں نکلا اور پکارا کہ عربی لشکر کا سردار میرے مقابلے پر نکلے۔ لشکرِ اسلام سے عبداللہ بن حذافہ مقابلے کے لئے نکلے ہی تھے۔ کہ میسرہؓ نے انہیں روک لیا اور کہا "رومی پہلوان نے اسلامی لشکر کے سردار کو طلب کیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ میں اس کے مقابلے پر جاؤں" عبداللہ بن حذافہ نے کہا "میں بھی تو اسلامی لشکر کے میمنے کا سردار ہوں، اس لئے آپ پہلے مجھے مقابلے کی اجازت دیں" میسرہؓ نے کہا "اچھا جاؤ۔ خدا حافظ و ناصر" عبداللہ بن حذافہ شیر کی طرح للکار کر قلیص کے مقابل ہوئے۔ دونوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ دونوں فنِ جنگ میں کامل ماہر تھے۔ عرصے تک ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ مگر کسی کا وار کارگر نہ ہوا۔ دونوں لشکر نہایت اشتیاق کے ساتھ لڑائی دیکھ رہے تھے۔ اور واہ واہ کے نعرے بلند کرتے تھے۔ جب عبداللہ نے دیکھا کہ حریف کی زرہ پر کوئی وار کارگر نہیں ہوتا۔ تو انہوں نے حریف کا وار خالی دیتے ہی اللہ اکبر کہہ کر تلوار کا ایک ٹیڑھا ہاتھ حریف کی گردن پر مارا۔ کوئی شبہ نہیں کہ اگر یہ وار بھی خالی جاتا۔ تو عبداللہ، جو دشمن کے بالکل قریب آ گئے تھے، دشمن کی زد سے زندہ نہ بچتے۔ مگر تکبیر کی برکت

سے وہ وار حریف کی گردن پر ایسا پڑا کہ رومی پہلوان کا سر کٹ کر الگ جا پڑا۔ لشکرِ اسلام میں خوشی کا نعرہ بلند ہوا اور رومی لشکر پر ایک سناٹے کا عالم چھا گیا۔ کیونکہ یہ پہلوان شاہِ ہرقل کے خاص اور معتمد سرداروں میں سے تھا۔ عبداللہ نے مقتول کا گھوڑا اور اسباب لے لیا۔ اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے لشکر میں آ گئے۔ میسرہؓ نے بھی عبداللہ کو تحسین و آفرین کی اور ساتھ ہی اللہ کا شکر ادا کیا۔ جب رومی لشکر کے سپہ سالار نے جس کا نام جارس تھا، اپنے ہمراہی کو یوں قتل ہوتے دیکھا، تو اُس کو سخت طیش آیا۔ اور اُس نے قسم کھائی کہ میں قلیص کے قاتل سے بدلہ لوں گا۔ یا تو اس کو سرِ میدان قتل کروں گا۔ یا اُس کو گرفتار کر کے شاہِ ہرقل کے پاس بھیج دوں گا۔ یہ کہہ کر جیتا ہوا میدان میں آیا۔ اور پکارا: "جس عربی پہلوان نے میرے ہمراہی کو قتل کیا ہے، وہی پہلے میرے مقابل آئے"۔ یہ سُنتے ہی عبداللہ پھر میدان کی طرف بڑھے، مگر میسرہؓ نے اُنہیں روک لیا اور کہا: "تم لڑتے لڑتے تھک گئے ہو اور رومی پہلوان تازہ دم ہے۔ اِس لئے تُم اس کے مقابلے پر نہ جاؤ"۔ عبداللہ نے کہا: "جب حریف مجھے مقابلے کے لئے طلب کرتا ہے تو میرا فرض ہے۔ کہ میں میدانِ جنگ میں جاؤں خواہ میں کتنا ہی تھکا ہُوا ہوں"۔ میسرہؓ نے کہا: "میں تمہاری بہتری اور خیر خواہی کے لئے منع کرتا ہوں، کیونکہ یہ پہلوان اس سے بھی زیادہ ڈیل ڈول کا ہے جس کو تُم نے قتل کیا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم اس تکان کی حالت میں اس

سے عہدہ برآنہ ہوسکو گے"۔ عبداللہ نے کہا: "اے سردار! آپ بیشک مجھ پر مہربانی اور شفقت کرتے ہیں، صرف اس لئے کہ میں قتل نہ ہو جاؤں، مگر یہ تو بتایئے۔ کہ آخرت کے دن جب مجھ سے اس بارے میں سوال کیا جائیگا۔ تو کیا اس وقت بھی مجھ پر مہربانی کرکے میری سفارش کرینگے؟ سچ بتایئے کہ اس وقت مجھے دوزخ کی آگ سے کون بچائیگا سوا اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے سے دریغ کرنے والوں کے لئے سلگائی جائیگی؟ خدا کی قسم، کوئی اور شخص میرے سوا اس رومی پہلوان کے مقابل نہ جائیگا۔ خواہ میں جاتے ہی قتل ہو جاؤں"۔ یہ تقریر سُن کر میسرہؓ کے آنسو بھر آئے اور اُنہوں نے کہا: "اللہ تعالیٰ کی ستائش اور حمد ہو۔ کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے پیارے حبیبؐ کی بدولت ہم مومنوں کے دل اپنی طرف کھینچ لئے ہیں اور ہمارے دلوں میں اُس کی رضاجوئی کے سوا اور کوئی خواہش باقی نہیں"۔ جب عبداللہ میدان میں پہنچے، تو جارس نے پوچھا: "کیا تمہیں نے میرے ہمراہی کو قتل کیا ہے؟" عبداللہؓ نے کہا: "میں ہی نے قتل کیا ہے"۔ جارس نے کہا: "تو سنبھل جاؤ، میں تم سے اس کا بدلہ لوں گا"۔ عبداللہ نے کہا: "بسم اللہ! شوق سے وار کرو"۔ اس پر جارس نے عبداللہ پر بڑی شدت کے ساتھ وار کیا۔ عبداللہ نے ڈھال پر سنبھالا۔ کچھ دیر تک برابر لڑتے رہے۔ جب جارس نے دیکھا کہ اس کا وار حریف پر کارگر نہیں ہوتا، تو یکدم آگے بڑھ کر عبداللہؓ سے چمٹ گیا اور عبداللہ کو زور سے اپنی طرف کھینچ کر زمین سے

الگ کر لیا اور اپنے لشکر میں لے گیا۔ وہاں جاتے ہی عبداللہ کو پابزنجیر کیا اور ایک گارد متعین کر کے ایک افسر کو حکم دیا: "اس کی اچھی طرح نگرانی کرو۔ جنگ سے فراغت پا کر اسے شاہِ ہرقل کے پاس قسطنطنیہ میں بھیجوں گا۔ وہ جو چاہیں گے اس کے ساتھ سلوک کرینگے۔" جارس پھر میدان میں آ کر گرجنے لگا۔ اس پر تین جوان لشکرِ اسلام سے نکلے، میسرہ رضی اللہ عنہ نے اُن کو روک لیا۔ اور کہا: "میرے لئے شرم کی بات ہے کہ میں عبداللہ کو گرفتار ہوتے دیکھوں اور چپ چاپ کھڑا رہوں۔" پھر میسرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا علم ایک دوسرے سردار کے سپرد کیا اور آپ اللہ کا نام لے کر میدان میں جارس کے مقابل ہوئے۔ ابھی دو ہی تین وار ہوئے تھے کہ میدان کے ایک طرف کچھ فاصلے پر غبار نمودار ہوا۔ جارس نے میسرہ سے کہا: "دیکھو وہ غبار کیسا ہے؟" میسرہ یہ سمجھے کہ اُن کا حریف انہیں دھوکا دینا چاہتا ہے، مگر جارس نے قسم کھا کر کہا: "سچ مچ تمہارے لشکر کے پیچھے غبار اُٹھ رہا ہے۔" میسرہ رضی اللہ عنہ نے بھی پیچھے ہٹ کر نظر اٹھائی، تو اُن کو ایک غبار دکھائی دیا۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ لشکرِ اسلام اُنکی کمک کو آ رہا ہے۔ جارس سے کہا: "یہ غبار ہمیں خوشخبری دیتا ہے کہ لشکرِ اسلام کی کمک آ پہنچی۔ اب ہم تمہاری اچھی طرح خبر لیں گے۔" اس پر جارس نے جھنجلا کر میسرہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تاکہ اُن کا کام تمام کر دے، مگر میسرہ رضی اللہ عنہ نے گھوڑا پھیر کر وار خالی دیا اور سیدھے ہوتے ہی جارس پر تلوار چلائی۔ جارس کے بازو پر پڑی اور اُس کا بازو زخمی ہوا۔ اتنے میں لشکرِ اسلام

میں تکبیر کا نعرہ بلند ہوا اور جارجن گھبرا کر میدان سے واپس چلا گیا۔ میسرہ نے اُن کا پیچھا نہ کیا اور وہ بھی اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔ خالد بن ولید اور اُن کے ہمراہیوں کو دیکھ کر لشکرِ اسلام کی خوشی کا اندازہ نہ رہا۔ میسرہ رضی اللہ عنہ نے خالد سے مصافحہ کیا اور کہا: "آپ وقت پر آ پہنچے، ہم رومیوں سے برابر جنگ کر رہے ہیں، مگر ابھی تک اُن پر غالب نہیں آ سکے کیونکہ اُن کی تعداد بہت ہے، اُن کا ایک نامی سردار مارا گیا۔ اور دوسرا زخمی ہو گیا۔ مگر ہماری طرف سے عبداللہ بن حذافہ گرفتار ہو گئے ہیں اور اُن کی گرفتاری کا ہمیں صدمہ ہے۔" خالد نے کہا: "کوئی اندیشہ نہ کرو، اللہ نے چاہا، تو عبداللہ کو، اگر وہ زندہ ہیں، تو چھڑا لیں گے۔ اگر قتل ہو گئے، تو دل کھول کر اُن کا بدلہ لیں گے۔" اُس دن رومیوں کی طرف سے اور چھیڑ چھاڑ نہ ہوئی۔ دونوں لشکر اپنی قیام گاہ میں چلے گئے۔

دوسرے دن پھر اسلامی لشکر میدان میں نکلا۔ مگر رومی افسر کی طرف سے ایک قاصد آیا۔ اور اُس نے کہا: "ہمارا سردار تم سے صلح کرنے کا خواستگار ہے۔ اگر تم منظور کرو، تو ہم تمہیں بکثرت مال و دولت دیتے ہیں اور تمہارا قیدی بھی تمہارے حوالے کیے دیتے ہیں، مگر اُس کے بعد تم کو چپ چاپ یہاں سے واپس جانا ہوگا۔" خالد نے کہا: "ہماری صلح کی دو شرطیں ہیں، جو تم کو اچھی طرح معلوم ہیں۔ ان شرطوں کے سوا ہم کسی اور شرط پر راضی نہ ہوں گے۔ باقی رہا قیدی کا معاملہ، سو اگر تم اُسے خود بخود چھوڑ دو گے، تو بہتر ورنہ ہم بتوفیقِ الٰہی جبراً تم سے چھڑا لیں گے۔"

رومی قاصد نے کہا: "اچھا ہم کو ایک دن کی مہلت دو کہ ہم باہم مشورہ کر لیں، اگر ہمارا اس بات پر اتفاق ہو گیا۔ تو کل ہم تمہاری اطاعت منظور کر لیں گے اور شام کے دیگر شہروں کی طرح تمہاری رعایا بن جائیں گے" خالدؓ نے کہا: "ہم بخوشی مہلت دیتے ہیں" چنانچہ اسلامی لشکر پیچھے کیمپ میں آ گیا۔ دوسرے دن پھر اسلامی لشکر میدان میں نکلا، مگر رومی لشکر سے کوئی آدمی میدان میں نہ آیا۔ خالدؓ نے متعجب ہو کر چند سوار خبر لانے کو بھیجے۔ وہ تھوڑی دیر میں واپس آئے اور کہا: "رومی کیمپ خالی پڑا ہے وہ راتوں رات کہیں چل دیئے۔ جو سامان جلدی میں ہمراہ نہ جا سکتے تھے وہ دے گئے، باقی وہاں پڑا ہے" خالدؓ کو یہ سن کر رنج ہوا خصوصاً اس لئے کہ رومی عبداللہ کو ہمراہ لے گئے تھے۔ خالدؓ نے اُن کا پیچھا کرنے کا ارادہ کیا، مگر میسرہؓ نے اُن کو منع کیا اور کہا: "اُن دشوار گزار پہاڑوں میں جن کے حالات سے ہم بالکل بے خبر ہیں، دشمن کا تعاقب کرنا اچھا نہیں۔ بہتر ہو کہ ہم ابوعبیدہؓ کے پاس واپس چلیں، اور اُن کو کل حال سے اطلاع دیں" خالد بن ولید نے میسرہؓ کی بات مان لی اور رومی لشکر کا سامان جو کچھ رہ گیا تھا، لے کر مظفر و منصور ابوعبیدہؓ کے پاس پہنچے ابوعبیدہؓ اس فتح سے بہت خوش ہوئے، مگر عبداللہ بن حذافہ کی گرفتاری کا اُن کو بھی صدمہ ہوا۔ اور اُنہوں نے اس حال کی اطلاع حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجدی۔ حضرت عمرؓ نے اطلاع پاتے ہی ایک قاصد تیار کیا اور مندرجہ ذیل خط دے کر ہرقل کے پاس روانہ کیا:-

ابتدا بخشش کرنے والے مہربان خدا کے نام سے، ہر قسم کی تعریف اُسی خدا کو زیبا ہے جس نے اپنے لئے کوئی بیوی اختیار کی نہ بیٹا اور اُس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی رحمت اور درود۔ عمر بن خطاب کی جانب سے جب یہ خط تمہیں پہنچے تو عبداللہ بن حذافہ کو، جو تمہارے یہاں قید ہے، میرے پاس بھیج دو۔ اگر تم نے میرا کہنا مان لیا، تو میں دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت کرے اور انکار کیا، تو میں ایسے لوگ تمہاری طرف روانہ کروں گا، جنہیں دُنیا کی کوئی دولت و طمع اللہ کے ذکر اور اُس کی راہ میں جان قربان کرنے سے نہیں روک سکتی۔ جو ہدایت کی پیروی کریں، اُن کو سلام۔

جب عبداللہ بن حذافہ گرفتار ہو کر قسطنطنیہ میں شاہ ہرقل کے پاس پہنچے، تو شاہ ہرقل نے جس کے دل پر اہل عرب کی جواں مردی اور شجاعت کا سکہ بیٹھ گیا تھا، یہ خواہش کی کہ کسی طرح عبداللہ اسلام سے روگرداں ہو کر عیسائی ہو جائیں اور اُس کے مقربوں میں شامل ہو جائیں چنانچہ وہ عبداللہ سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آیا اور اُن سے پوچھا "تم کس قوم سے ہو؟" عبداللہ نے کہا: "میں قریش میں سے ہوں"۔ ہرقل نے پوچھا: "کیا تم پیغمبر کے گھرانے میں سے ہو؟" عبداللہ نے کہا: "نہیں میں اُن کے بنی عم میں سے ہوں"۔ ہرقل نے کہا: "اگر تم اسلام چھوڑ کر ہمارا دین قبول کر لو، تو میں تمہیں زر و جواہر سے مالا مال کر دوں گا اور کسی سردار کی

بیٹی سے تمہاری شادی کرا کے تمہیں اپنے مقربوں میں داخل کر لوں گا۔"
عبداللہ نے کہا: "ہمیں اپنے پیغمبر کی بدولت ایمان کی ایسی نعمت اور دولت اللہ نے عطا کی ہے کہ ہم اس کے مقابل دُنیاوی زر و جواہر کو ہیچ سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قرب کو دنیاوی بادشاہوں کی مصاحبت سے بدرجہا بہتر جانتے ہیں۔" ہرقل یہ جواب سُن کر جھنجلایا اور داروغہ جیل کو بلا کر حکم دیا: "اس قیدی کو ایک الگ کوٹھڑی میں بند کر دو اور اُس کے پاس کھانے پینے کی ایسی چیزیں رکھ دو جو ان کی شریعت میں حرام ہوں۔ پھر دیکھیں کہ کب تک یہ اپنے ایمان پر قائم رہتا ہے۔" داروغہ نے ایسا ہی کیا۔ اور تین دن تک عبداللہ کو بند رکھا۔ عبداللہ تین دن تک بھوکے پیاسے رہے، مگر انہوں نے کھانے پینے کی کوئی چیز چھوئی بھی نہیں۔ داروغہ نے ہرقل کو اس بات کی اطلاع دی۔ ہرقل نے عبداللہ کو پھر اپنے سامنے بلایا۔ عبداللہ بھوک پیاس سے نہایت نحیف ہو رہے تھے۔ ہرقل نے اُن سے پوچھا: "کس چیز نے تم کو کھانے پینے سے روکا؟" عبداللہ نے کہا: "صرف میرے ایمان نے! گو اضطرار کی حالت میں حرام چیزیں ہمارے لئے حلال ہو جاتی ہیں، مگر میں نے اسلام کی عزت کی خاطر اس حالت میں بھی ان ممنوعہ چیزوں کو استعمال نہیں کیا تاکہ لوگ اسلام اور مسلمانوں پر تمسخر نہ اُڑائیں۔" ہرقل عبداللہ کا ایسا مضبوط ایمان دیکھ کر عش عش کر اُٹھا اور اس نے حکم دیا کہ آئندہ کے لئے ان کو آسائش میں رکھو۔

جب حضرت عمرؓ کا قاصد خط لے کر ہرقل کے پاس پہنچا، تو ہرقل نے خط پڑھتے ہی عبداللہ کو بلایا۔ اور اُن کو اور قاصد کو خلعت دے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور ساتھ ہی قاصد کو امیرالمومنین کے لئے ایک بیش بہا موتی بطورِ تحفہ دیا۔ حضرت عمرؓ عبداللہ کو واپس آتے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور موتی کے بارے میں اپنے مشیروں سے مشورہ کیا کہ اس کو کیا کریں۔ مشیروں نے کہا: "یہ تحفہ ہرقل نے خاص طور پر آپ کے لئے بھیجا ہے۔ اس لئے آپ اس کو اپنے صرف میں لائیں"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "یہ تحفہ ہرقل نے مجھ کو صرف امیرالمومنین کی حیثیت میں روانہ کیا ہے۔ اس لئے میرا ذاتی استحقاق کوئی نہیں ہے۔ بلکہ یہ مومنوں کا مال ہے"۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی وقت سوداگروں کے ہاتھ موتی بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔

"عُمَر اپنا تخلص ہے اُسی کے نام والا پر
اُڑایا جس نے اسلامی پھریرا روم و ایران میں"

۵۔ شمالی شام میں بغاوت

جب ابو عبیدہؓ علاقہ شام کو مسخر کر چکے، تو حضرت عمرؓ نے اسلامی لشکر کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور حکم دیا کہ جس قدر ملک فتح ہو چکا ہے اس کا انتظام نہایت احسن طور پر کیا جائے اور رعایا کو خوش حال اور آسودہ بنایا جائے۔ چنانچہ جنوبی حصۂ شام یعنی دمشق میں یزید بن ابی سفیان کو گورنر مقرر کیا گیا اور شمالی حصّے یعنی حمص میں ابو عبیدہؓ کو خالد بن ولید کے سپرد قنّسرین کی حکومت کی گئی، جو اگرچہ اُن کی شان کے لائق نہ تھی، مگر خالدؓ کو ان باتوں کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

اس عرصے میں عمرو بن عاص نے فلسطین کا کل ساحل مسخر کر لیا۔ یعنی غازا، عسقلان، رلیعہ، جافر، بنس، عکّہ، صور وغیرہ کو بآسانی مطیع ومنقاد کر لیا۔ صرف ایک مقام یعنی قیساریہ ساحلِ سمندر پر رومیوں کے قبضے میں رہ گیا، جہاں شاہِ ہرقل کا بیٹا قسطنطین ایک جرار فوج لئے پڑا تھا۔ اور شہر کی فصیلیں اور برج بھی نہایت مضبوط تھے علاوہ ازیں سمندر کی طرف اس کا راستہ کھلا تھا اور مصر اور اسکندریہ سے سمندر کے راستے ہر طرح کی امداد وہاں پہنچ سکتی تھی، کیونکہ مصر اور اسکندریہ بھی ہرقل شاہ قسطنطنیہ کے ماتحت تھے اور رومی فوج وہاں متعین تھی،

مصر کا بادشاہ مقوقس شاہِ ہرقل کا باجگزار تھا اور سالانہ خراج ادا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ کی بھی پالیسی تھی کہ زیادہ فتوحات نہ کی جائیں۔ اور جو علاقے قبضے میں آ چکے ہیں، اُن میں عدل و انصاف قائم کر کے اسلامی حکومت کی جڑ مضبوط کی جائے۔ رعایائے شام بھی اسلامی حکومت سے خوش تھی، مگر شاہِ ہرقل کے زرخیز صوبے اہلِ عرب کے قبضے میں چلے گئے تھے اور بیت المقدس اور انطاکیہ کے مقدس شہر، جو عیسویت کی جان و جگر تھے، اسلامی اقتدار کے ماتحت آ گئے تھے، اس لئے اُسے کب چین آ سکتا تھا؟ وہ اسی تردد میں غلطاں و پیچاں رہتا تھا کہ کسی طرح اہلِ عرب کو ہزیمت دے، کیونکہ اُس کی ناموری اور شہرت جو اُس نے چند سال پیشتر ایرانیوں کے مقابل حاصل کی تھی، خاک میں مل گئی تھی، بہت سے غور و فکر کے بعد اس نے یہ ارادہ کیا کہ ایک دفعہ پھر اہلِ عرب کو شام سے نکالنے کی کوشش کرے چنانچہ اُس نے ایسی تدبیر کی۔ کہ اگر اللہ کی تائید اہلِ عرب کے ساتھ نہ ہوتی، تو اُن کے مغلوب ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا تھا۔ دریائے فرات اور دجلے کا درمیانی علاقہ دوآبہ، جو مسوپوٹیمیا کہلاتا ہے اور جس کو اہلِ عرب جزیرہ بولتے ہیں، اس دوآبے کا زیریں حصہ تو شاہِ ایران کے ماتحت تھا۔ اور بالائی حصہ جو شام سے ملحق ہے، شاہِ ہرقل کے قبضے میں۔ جزیرہ کے درمیان ایران و روم کی سرحد تھی، جس پر دارا، ماردین، نصیبین وغیرہ مضبوط قلعے موجود تھے اور یہی قلعے شاہِ ایران و روم باہمی جنگ و جدل کی

Mesopotamia

رزم گاہ تھے۔ ابھی تک اہل عرب کا کوئی دستۂ فوج اس علاقے کو فتح کرنے کے لئے نہیں گیا تھا۔ اس رومی علاقے کی آبادی زیادہ تر عیسائی تھی۔ شاہِ ہرقل نے ان اقوام سے کہلا بھیجا کہ تم اپنے دین کی خاطر شام پر چڑھائی کرو، اور شمالی شام کے علاقے سے اپنے ہم مذہبوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلو۔ اُدھر اُس نے قسطنطنیہ، مصر اور اسکندریہ سے بکثرت رومی فوج قیساریہ میں بھیجدی۔

ابوعبیدہؓ کو جب اس طوفان کے اُٹھنے کی اطلاع ملی، تو انہوں نے خالد کو بلا بھیجا اور ساتھ ہی حضرت عمرؓ کو اصل حال سے اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت سعد بن ابی وقاص کو، جو عراقِ عربی اور زیریں حصہ جزیرہ کو فتح کرکے دارالخلافہ ایران یعنی شہرِ مدائن پر قابض ہو چکے تھے، لکھ بھیجا۔ کہ ابوعبیدہؓ کی امداد کے لئے عراق سے کچھ فوج روانہ کرو تاکہ وہاں کے باشندے اپنے گھر محفوظ پا کر رومی فوج کے ساتھ ملنے نہ پائیں۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے فی الفور اس حکم تعمیل کی، مگر اس عرصے میں شمالی شام میں بغاوت کی آگ شعلہ زن ہوگئی، اور کثیر رومی فوج قیساریہ سے کوچ کرکے حمص کے قریب پہنچ گئی۔

ابوعبیدہؓ یہ خطرناک حالت دیکھ کر حمص میں محصور ہوگئے۔ جب خالدؓ بن ولید حمص میں پہنچے، تو انہوں نے ابوعبیدہؓ کو یہ صلاح دی۔ کہ بجائے محصور ہونے کے میدان میں نکل کر رومیوں کا مقابلہ کیجئے ورنہ رومی فوج پھیل کر تمام علاقے کو از سرِ نو اپنے ساتھ ملا لے گی۔

ابو عبیدہؓ نے کہا: "جب تک ہمیں کمک نہ پہنچے، میدان میں نکل کر دشمن کے دو بدو نہ ہونا چاہیئے۔" اِس خطرے کو دیکھ کر ابو عبیدہؓ نے پھر حضرت عمرؓ کو کمک کے لئے لکھا۔ حضرت عمرؓ خود مدینے سے لشکر لیکر کمک کے لئے روانہ ہوئے، مگر پیشتر اِس کے کہ وہ جابیہ تک پہنچیں یا عراق کی فوج حمص میں آئے، خالد بن ولید نے بڑے اصرار کے ساتھ ابو عبیدہؓ کو میدان میں نکلنے پر راضی کر لیا۔ اور حمص کے باہر رومی فوج سے لڑائی شروع ہوئی۔ رومی فوج اہلِ عرب سے پندرہ گنی تھی مگر خالد بن ولید اور اُن کے ہمراہیوں کے سامنے رومیوں کی کچھ پیش نہ گئی اور ہر موقع پر ان کو شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ اِدھر سعد بن أبی وقاص نے ایک دستہ فوج بالائی جزیرے میں بھیج دیا۔ وہاں کے باشندوں کو اپنی پڑ گئی اور شام پر لشکر کشی کرنے کے بجائے ان کو اپنے گھروں کی حفاظت کی فکر ہوئی۔ غرض حضرت عمرؓ ابھی جابیہ ہی تک پہنچے تھے اور عراق کی کمک بھی راستے ہی میں تھی کہ اسلامی لشکر کو رومیوں اور باغیوں پر کامل فتح حاصل ہوئی۔ تین دن خونریز جنگ ہوتی رہی اور چوتھے دن رومی فوج تابِ مقابلہ نہ لا کر بھاگ نکلی۔ جس قدر رومی اہلِ عرب کی تلوار اور قید سے بچ رہے، وہ بھاگ کر پھر قیساریہ میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اور شام میں از سرِ نو امن قائم ہو گیا۔ ابو عبیدہؓ نے فتح کی اطلاع حضرت عمرؓ کو بھیجی اور یہ بھی لکھ بھیجا کہ یہ عظیم الشان فتح خالدؓ بن ولید کی بدولت اللہ تعالیٰ نے عطا کی۔ حضرت عمرؓ خوش ہو کر

جابیہ سے یہ حکم بھیجکر مدینے واپس چلے گئے کہ اُدھر قیساریہ کو فتح کرلیا جائے اور اِدھر بالائی جزیرے کو مسخر کیا جائے تاکہ رومیوں کو شام میں پھر شورش بپا کرنے کا موقع نہ ملے۔ خالد بن ولید اس فتح کے بعد پھر قنسرین چلے گئے اور قیساریہ کی فتح عَمرِو بن عاص کے سپرد کی گئی، کیونکہ عَمرِو بن عاص کا یہ فرض تھا کہ ساحل سمندر کو رومیوں سے پاک وصاف کردیں۔

۱۶- فتح قیساریہ

جب عمرو بن عاص کو حکم پہنچا، تو انہوں نے قیساریہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کی، مگر قیساریہ کی طرف روانہ ہونے سے پیشتر ابو عبیدہ رضؓ کو لکھ بھیجا کہ قیساریہ بڑا مضبوط مقام ہے اور رومی فوج وہاں بکثرت ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ کچھ اور فوج میری کمک کے لئے روانہ کردیں۔ کیونکہ ایسے مضبوط مقام پر حملہ کرنے کے لئے میرے پاس کافی فوج نہیں ؛ ابو عبیدہ نے خط پڑھتے ہی تین ہزار جوان بسر کردگی شرجیل بن حسنہ عمرو بن عاص کے پاس بھیج دیئے اور لکھ بھیجا کہ اگر اور فوج کی ضرورت ہو۔ تو اطلاع آنے پر روانہ کی جا سکتی ہے۔ شرجیل بن حسنہ عین وقت پر عمرو بن عاص کے پاس پہنچے۔ عمرو بن عاص ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا: "اللہ نے چاہا، تو اسی قدر کمک کافی ہو گی اور زیادہ کی ضرورت نہ پڑے گی"۔ عمرو بن عاص سازوسامان درست کرکے قیساریہ کی طرف بڑھے اور ان کی روانگی کی اطلاع قسطنطین پسر ہرقل کو بھی قیساریہ میں پہنچ گئی۔ رومی فوج، جو حمص کی آخری جنگ سے بچ رہی تھی، وہ بھاگ کر قیساریہ میں پناہ گزیں ہوئی تھی اور اس میں نامی سردار بھی موجود تھے،

جن میں قیدموں شاہ ہرقل کا بڑا معتمد سردار تھا۔ وہ گویا قسطنطین کا دست و بازو تھا۔ قسطنطین نے قیدموں کو بلا کر کہا: "اہل عرب قیساریہ پر حملہ کرنے آتے ہیں۔ تم مجھے اس بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟ ہمارے پاس اس تمام ساحل پر صرف قیساریہ ہی رہ گیا ہے۔ اگر قیساریہ پر بھی اہل عرب کا قبضہ ہو گیا۔ تو شام سے ہمارا تعلق قطع ہو جائے گا۔ اور پھر ہمیں شام پر لشکر کشی کا کبھی موقع نہ ملے گا۔" قیدموں نے کہا: "اہل عرب کی جرأت اور جسارت نے ہمیں حیران کر رکھا ہے۔ ہم نے جان توڑ کر مقابلے کئے، مگر ہماری پیش نہ گئی۔ ہمارے لئے اب اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ کہ آخری مرتبہ میدان میں نکل کر ان کا مقابلہ کریں۔ یا تو عربوں کو شکست دیں۔ یا خود میدان میں قتل ہو جائیں۔ میرے نزدیک اس بے عزتی کے ساتھ جینے سے میدان میں مرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔" قسطنطین نے کہا: "میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ کہ ہم آخری مرتبہ عربوں کا جان توڑ کر مقابلہ کریں۔ یا تو ہم نے پھر شام لے لیا یا قیساریہ بھی ہاتھ سے دے دیا۔ ایرانیوں نے بھی اسی طرح شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر پھر میرے باپ شاہ ہرقل نے اُن پر چڑھائی کر کے از سر نو تمام شہر ایک ایک کر کے اُن کے ہاتھ سے واپس لے لئے تھے۔ کیا عجب ہے، ویسی صورت پیش آ جائے اور ہم کو اتنی شکستوں کے بعد ایک آخری فتح حاصل ہو۔" قسطنطین نے یہ کہہ کر لشکر کو میدان میں نکلنے کا حکم دیا، کچھ فوج قیساریہ کی حفاظت کے لئے

قلعے میں چھوڑ دی اور اسی ہزار میدان میں لا کھڑی کی۔ عمرو بن عاص بھی تیرہ ہزار سپاہ لے کر قیسازیہ کے میدان میں پہنچ گئے۔ اور دشمن کے مقابل کیمپ لگا دیا۔ قسطنطین نے کئی جاسوس اسلامی لشکر میں بھیج دیئے۔ تاکہ ان کی تعداد کا اندازہ کریں۔ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی۔ کہ لشکر عرب بمشکل بارہ تیرہ ہزار ہوگا۔ مگر قسطنطین کو یہ سُن کر کچھ خوشی نہ ہوئی۔ کہ اہل عرب کا لشکر نسبتاً بہت قلیل ہے کیونکہ اہل عرب کی قلت کا سوال اُٹھ گیا تھا۔ جنگ یرموک اور حمص کی آخری لڑائی کے نتیجے نے عربوں کی قلت کو کثرت سے بدل دیا تھا۔ اب اُن کا ایک ہزار جوان بیس ہزار رومیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ قسطنطین کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ اہل عرب کے کارنامے ایک ایک کر کے اُس کی آنکھوں تلے پھر گئے۔ جنگ اجنادین، یرموک، بیت المقدس اور جنگ انطاکیہ کے نظارے اس کے ذہن میں آموجود ہوئے، جہاں عرب فوج کی رومی فوج کے مقابل کچھ حقیقت نہ تھی، مگر اُس پر بھی عربوں کو ہر میدان میں فتح حاصل ہوئی اور رومیوں کو شکست نصیب ہوتی رہی۔ قسطنطین نے یہ ارادہ کیا۔ کہ ممکن ہو، تو اہل عرب سے میعادی صلح کرلے اور اس طرح سرِ دست عرب کے تیز رو سیلاب سے قیسازیہ کو بچا لے۔ چنانچہ اُس نے ایک سردار کو اسلامی سپہ سالار کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اپنی طرف سے کسی دانا آدمی کو صلح کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے بھیجے تاکہ اگر ممکن ہو، تو اہل عرب اور رومیوں

کے مابین صلح ہو جائے اور بے فائدہ خون ریزی نہ ہو۔ جب رومی سردار میدان میں گیا، تو اُس نے عرب سپاہیوں سے کہا: "اپنے سردار کو یہ پیغام پہنچاؤ۔ کہ وہ کسی دانا سردار کو صلح کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے بھیجے"۔ عمرو بن عاص نے یہ پیغام سُن کر اپنے ہمراہیوں سے مشورہ کیا۔ کہ کسی شخص کو رومی کمپ میں بھیجا جائے۔ اس پر بلال رضؓ نے کہا: "مجھے بھیجئے"۔ عمرو نے کہا: "بے شک تم ہمارے نزدیک بڑے ممتاز شخص ہو، اور بوجہ آنحضرت صلعم کے مؤذن ہونے کے تم کو ہم میں بڑی وقعت حاصل ہے۔ مگر رومی شہزادہ اس بات کو اپنی ہتک خیال کرے گا۔ کہ ہم نے بجائے کسی عرب سردار کے ایک حبشی کو اس کے پاس بھیجدیا ہے"۔ بلال رضؓ نے کہا: "آپ کو خدا کی قسم! مجھے ضرور بھیجئے، میں نہایت اچھی طرح یہ خدمت بجالاؤں گا"۔ عمرو نے کہا: "میرا ارادہ تمہیں بھیجنے کا نہ تھا، مگر تم نے مجھے قسم دلائی ہے۔ اِس لئے اب تمہیں روک نہیں سکتا۔ اچھا، جاؤ"۔ بلال رضؓ رخصت ہو کر رومی سردار کے پاس آئے اور کہا: "مجھ کو سپہ سالارِ لشکرِ اسلام نے تمہارے شہزادے سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا ہے"۔ رومی سردار حیران ہوا اور اُس نے کہا: "کیا تمہارے سپہ سالار میں اپنی تہذیب اور شائستگی بھی نہیں کہ بجائے ایک حبشی غلام کے کسی ممتاز عرب سردار کو میرے ہمراہ کرتا، جس سے شہزادہ گفتگو کر کے خوش ہوتا۔ میں تم کو ہمراہ نہیں لے جاتا، تم واپس جاؤ۔ تم شہزادوں کے ہم نشین ہونے کے قابل نہیں ہو"۔ بلال رضؓ نے

کہا: "گو میں حبشی ہوں، مگر اہل اسلام میری بڑی عزت کرتے ہیں، کیونکہ میں پیغمبرِ اسلام کا موذن تھا۔" رومی سردار نے کہا: "اچھا، میں تمہیں ہمراہ لئے چلتا ہوں، مگر تمہیں شہزادے کے روبرو کرنے سے پہلے میں تمہاری اطلاع کردوں گا۔ اگر شہزادے نے اجازت دی، تو تمہیں پیش کروں گا۔" رومی سردار بلال رضؓ کو ہمراہ لے کر رومی کمپ میں آیا۔ اور ان کو خیمے کے باہر کھڑا کر کے شہزادے کو اطلاع دی۔ کہ سپہ سالار اعظم نے ایک حبشی کو گفتگو کے لئے بھیجا ہے قسطنطین یہ سُن کر ناراض ہوا۔ اور کہا: "کیا اہل عرب نے ہمیں حقیر جانا ہے کہ ایک حبشی کو ہمارے پاس بھیجدیا؛ جاؤ، اس کو واپس کردو، میں اُسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ اگر سپہ سالار کو منظور ہو۔ تو کوئی عرب سردار میرے پاس روانہ کردے۔" رومی سردار بلال رضؓ کے پاس آیا اور کہا: "شہزادہ تم کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ کہ شہزادہ اس میں اپنی ہتک سمجھے گا۔" بلال یہ سُنکر رنجیدہ ہوئے اور نہایت بے دل ہو کر کمپ میں واپس آگئے۔ اور عمرو بن عاص سے کہنے لگے: "شہزادے نے مجھ سے ملنے سے انکار کردیا۔ اب آپ جسے چاہیں، روانہ کردیں۔" عمرو بن عاص نے شرجبیل بن حسنہ سے کہا: "میرا دل چاہتا ہے کہ میں خود شہزادے کی ملاقات کو جاؤں۔" شرجبیل نے کہا: "اگر شہزادے نے تمہارے ساتھ دغا کی، تو ہمیں بڑا صدمہ پہنچے گا۔" عمرو نے کہا: "میں محتاط رہوں گا۔ لیکن خدانخواستہ

شہزادے نے مجھ کو گرفتار کر لیا، تو تم اس لشکر کے سپہ سالار بن کر رومیوں سے مقابلہ کرنا۔" یہ کہہ کر عمرؓو بن عاص ہتھیار پہن کر اور اچھی طرح مسلح ہو کر رومی سردار کے پاس گئے اور کہا: "چلو، میں تمہارے شہزادے سے گفتگو کرنے کے لئے چلتا ہوں۔" رومی سردار اُنہیں شہزادے کے روبرو لے گیا اور ایک زرّیں کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عمرو بن عاص نے کہا: "سنہری کرسی پر میں اللہ پاک کی زمین کو ترجیح دیتا ہوں اور فرش پر بیٹھتا ہوں۔" چنانچہ وہ شہزادے کے روبرو فرش پر بیٹھ گئے، تلوار اپنے زانو پر رکھ لی اور نیزہ فرش پر رکھ دیا۔ قسطنطین نے کہا: "تم بڑے مسلح ہو کر آئے ہو۔ کیا تمہیں اپنی جان کا اندیشہ تھا؟" عمرؓو نے کہا: "ہم اپنے ہتھیار پر فدا ہیں۔ اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے مسلح رہتے ہیں۔ یہی ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اس لئے میں عادۃً مسلح ہو کر آیا ہوں اور احتیاط بھی اس بات کی مقتضی تھی۔" قسطنطین نے کہا: "احتیاط کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہارے ساتھ دغا نہیں کریں گے۔" میں نے تو تمہیں صرف اس لئے بلایا تھا کہ اگر ممکن ہو سکے، تو ہم کچھ عرصے کے لئے باہم صلح کر لیں۔ شام کا علاقہ تم نے لے لیا ہے۔ اس پر تم بدستور قابض رہو۔ ہم تم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں گے اور قیساریہ ہی پر قناعت کریں گے۔" عمرو بن عاص نے کہا: "قیساریہ کو فتح کرنے کا مجھے تاکیدی حکم پہنچا ہے اور میں بغیر اس کو فتح کئے واپس نہیں جا سکتا۔" قسطنطین نے کہا: "ہم تم بھائی ہیں۔ ہم سب کا باپ آدم ایک ہے۔ پھر

نوح تک ہمارا نسب ملتا ہے۔ تم سام کی اولاد ہو، تم ہم حام کی۔ تم اپنی قسمت پر شاکر رہو، ہم اپنی قسمت پر صابر رہتے ہیں۔ تم ہماری شاداب زمینوں کا لالچ کیوں کرتے ہو؟" عمرو بن عاص نے کہا: "یہ شاداب زمین حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے سام کو دی تھی، لیکن حام کی نسل نے شورش کر کے سام کی نسل کو ریگستانوں میں ہٹا دیا۔ اب ہم اپنے باپ دادا کی وراثت لینے آئے ہیں۔ تم کو چاہیئے تھا کہ تم بخوشی ہمارا حق دے دیتے، مگر تم نے ہمارا سخت مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری تائید کی اور ہمیں تم پر غلبہ دیا۔ ہاں ایک طریقے سے تُم اپنے مقبوضات پر قابض رہ سکتے ہو۔ تم مسلمان ہو کر ہمارے حقیقی بھائی بن جاؤ۔ اور ہمارے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم کر لو۔ پھر ہم تم سے مطلق پرخاش نہ کریں گے۔ اس طرح تمہیں بھی وہ برکات حاصل ہو جائیں گی جو اسلام کی بدولت ہمیں حاصل ہوئی ہیں۔ ہم تمہیں ہدایت اور روشنی کی طرف بلاتے ہیں اور تاریکی اور ظلمت سے بچاتے ہیں۔ اس میں تمہاری عاقبت سنور جائے گی۔ اللہ کی توحید کے قائل ہو جاؤ۔ اور اس بات پر ایمان لاؤ کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی ساتھی نہیں نہ اُس کی بیوی ہے نہ بیٹا، نہ اُس کو کسی نے جنا اور نہ اُس نے کسی کو جنا۔ بتاؤ، اس کے ماننے میں تمہیں کیا تامل ہے اور اس میں کیا بُرائی ہے؟" قسطنطین نے کہا: "اس بات پر میں بحث کرنا نہیں چاہتا اور نہ تمہارا دین ہی قبول کرنے پر اپنے آپ کو تیار پاتا ہوں۔

میں اپنے دین پر قائم رہوں گا اور اسی کو اچھا سمجھتا ہوں" عمرو بن عاص نے کہا: "اچھا، اگر تمہیں ہدایت کی روشنی منظور نہیں اور تم خدا کی توحید پر ایمان لانا نہیں چاہتے اور ایمان کے نیک ثمرات سے محروم رہنا چاہتے ہو، تو رہو، میں اصرار نہیں کرتا۔ اس کے سوا ایک اور طریقہ بھی ہے، جس کی بدولت ہم میں صلح ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے دین پر بدستور قائم رہو۔ اور ہماری حفاظت میں آ جاؤ۔ اس صورت میں بھی تم بڑے فائدے میں رہو گے۔ ہم تمہارے رفیق اور دوست بن جائیں گے۔ تمہارے اندرونی اور مذہبی معاملات میں مطلق دخل نہ دیں گے، بلکہ تمہارے جان و مال کی حفاظت دل و جان سے کریں گے۔"

قسطنطین نے کہا: "یہ طریقہ بھی مجھے پسند نہیں۔ ہم اس ذلت کو گوارا نہیں کر سکتے۔ ہماری سلطنت صرف شام پر منحصر نہیں۔ شام ہماری سلطنت کا صرف ایک صوبہ ہے۔ ہماری سلطنت بڑی وسیع ہے۔ ہمارا زور ٹوٹ نہیں گیا۔ کیا حرج ہوا، اگر ایک شام کا علاقہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ اگر تم اس طرح صلح کرنا چاہو۔ جس میں ہماری ہتک نہ ہو۔ اور فریقین کے لئے معززانہ ہو، تو میں تیار ہوں، ورنہ نہیں۔" عمرو نے کہا: "پھر آخری طریقہ یہی ہے کہ ہم باہم مقابلہ کریں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا، فتح دیگا۔" قسطنطین نے کہا: "اچھا تمہاری مرضی یہی ہے، تو میں بھی تیار ہوں۔ میں نے تو اس لئے یہ دردسری اٹھائی،

تھی کہ اگر ممکن ہو تو باہم سمجھوتہ ہو جائے، لیکن تم جنگ پر آمادہ ہو، تو یہاں بھی کوئی دیر نہیں"۔ یہ سُنکر عَمرو بن عاص اپنے کیمپ میں واپس آ گئے، اور شرحبیل کو کُل کیفیت سنا کر کہا: "لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔ دوسرے دن دونوں لشکر آراستہ ہو کر ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوئے، رومی لشکر میں سے ایک بطریق میدان میں آیا اور گھوڑے کو خوب چکر دیکر لشکرِ اسلام سے مناسب فاصلے پر کھڑے ہو کر کمان ہاتھ میں لی، پھر تیر کمان میں جوڑ کر لشکرِ اسلام پر چلایا۔ اور ایک آدمی کو زخمی کیا۔ پھر دوسرا تیر چھوڑا اور دوسرے آدمی کو شہید کیا۔ عَمرو بن عاص نے پکار کر کہا: "کیا کوئی آدمی اس رومی پہلوان کے مقابلے پر نہیں نکلتا؟" یہ سُنتے ہی ایک عرب سوار بنی خثیف میں سے عربی کمان لئے ہوئے صف سے آگے بڑھا، رومی نے تیسرا تیر اس پر چلایا، مگر تیر کارگر نہ ہوا۔ عرب نے شست باندھ کر اس زور سے تیر چھوڑا کہ رومی پہلوان کے حلق پر بیٹھا اور اس کی گردن کے پار ہو گیا۔ رومی پہلوان فی الفور گھائل ہو کر گر پڑا۔ عرب دوڑا اور جا کر اس کا گھوڑا اور اسباب لے لیا۔ لشکرِ اسلام میں "مرحبا! جزاک اللہ!" کا نعرہ بلند ہوا۔ اور رومی ایسا مہلک نشانہ دیکھ کر سہم گئے اس پر ایک اور رومی بطریق میدان میں نکلا اور حریف طلب کیا۔ اہلِ اسلام میں سے ایک نبرد آزما اس کے مقابلے پر نکلا۔ چند ساعت دونوں میں برابر لڑائی ہوتی رہی۔ آخر رومی نے بڑھ کر ایک سخت وار کیا۔ عرب نے ڈھال پر وار سنبھالا۔ تلوار ڈھال کو کاٹ کر اس کے

بازو پر بیٹھی، مگر کارگر نہ ہوئی۔ عرب نے غصہ کھا کر حریف پر وار کیا۔ تلوار رومی کے خود پر پڑی۔ اور اس کو خفیف زخم آیا۔ مگر معاً اس نے عرب پر پھر تلوار کا وار کیا۔ اور اس کو بھی زخمی کر دیا۔ دونوں زخمی ہو کر اپنے اپنے لشکر میں واپس چلے گئے۔

قسطنطین کے لشکر میں ایک نبرد آزما جنگجو قدمون نامی تھا جس کو شاہ ہرقل نے خصوصیت کے ساتھ اپنے بیٹے کی اعانت کے لیئے بھیجا تھا۔ قدمون نے جو لڑائی کا یہ ڈھنگ دیکھا اور اہلِ عرب کا رومیوں پر غلبہ پانا محسوس کیا۔ تو اُس نے قسطنطین سے کہا: "اہلِ عرب دلیری اور جرأت سے اپنے لشکر کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور ہمارے لشکر پر رُعب ڈال رہے ہیں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میدان میں جاؤں اور عربوں کے حوصلے پست کروں" قسطنطین نے اُسے اجازت دی۔ وہ مسلّح ہو کر میدان میں آ کر حریف طلب کرنے لگا۔ اُس کو دیکھ کر لشکرِ اسلام میں سے ایک نوجوان سوار، جو اہلِ یمن سے تھا، گھوڑا دوڑا کر عورتوں کے خیمے کی طرف گیا۔ اور اپنی ماں اور بہن سے، جو اُس کے ہمراہ آئی تھیں، گلے مل کر کہنے لگا: "میں اس لیئے شام میں نہیں آیا تھا کہ شام کے اچھے اچھے میوے کھاؤں، بلکہ میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی رضامندی حاصل کرنے آیا ہوں اور شہادت پانے کے لیئے میدانِ جنگ میں جاتا ہوں۔ لو میں تم سے جدا ہوتا ہوں مجھ سے ملنا ہو تو حوضِ کوثر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حضور میں آ

ملنا"۔ یہ کہہ کر وہ یمنی شہسوار گھوڑا دوڑاتا ہوا میدان میں آیا اور قدموں کے مقابل ہوا۔ گھوڑے کو میدان میں چکر دے کر وہ کرتب دکھائے کہ دونوں لشکر تعریف کرنے لگے۔ پھر بجلی کی طرح قدموں پر حملہ کر کے اس زور سے نیزہ مارا کہ نیزے کی انی قدموں کی زرہ میں گھس گئی۔ قدموں نے تلوار سے نیزہ کاٹ کر نوجوان عرب پر بڑی شدت سے وار کیا۔ نوجوان نے وار ڈھال پر سنبھالا۔ مگر تلوار ایسی آبدار تھی کہ ڈھال کو کاٹ کر خود پر اور خود کاٹ کر نوجوان کے سر پر پڑی۔ نوجوان یمنی کلمۂ شہادت پڑھتا ہوا جنّت کو سدھارا۔

یہ حال دیکھ کر رومی لشکر نے خوشی کے نعروں سے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ لشکرِ اسلام میں سے ایک اور جوان قدموں کے مقابل ہوا۔ اُس کو بھی قدموں نے شہید کیا۔ یہ صورت دیکھ کر شرجیل بن حسنہ کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عَلم لئے ہوئے میدان میں نکلے۔ عمرؓو بن عاص نے اُن کو پکار کر کہا: "اگر تم مقابلے کے لئے جاتے ہو، تو عَلم چھوڑ جائیے تاکہ تم کو لڑائی میں دقّت نہ ہو"۔ شرجیل نے عَلم دوسرے شخص کے حوالے کیا۔ اور آپ قدموں کے مقابل ہوئے۔ قدموں ایک نحیف البدن آدمی کو مقابل دیکھ کر ہنسا کیونکہ شرجیل بن حسنہ روزہ رکھنے۔ اور شب بیداری کی وجہ سے لاغر اندام ہو گئے تھے۔ مگر شرجیل نے ایسا دو دار قدموں پر کئے اور ایک دو دار اُس کے رد کئے، تو قدموں کی ہنسی جاتی رہی۔ اور اُس نے سمجھا کہ شجاعت اور بہادری جسم پر منحصر نہیں،

چند ساعت دونوں لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ گھوڑے پسینے پسینے ہو گئے۔ دونوں گھوڑوں سے اُترے اور پاپیادہ لڑنے لگے۔ شرجبیل نے داؤں پاکر بڑے زور سے تلوار کا وار قدمون پر کیا۔ تلوار قدمون کی زرہ پر پڑی، مگر زرہ ایسی مضبوط تھی کہ تلوار اس پر پڑتے ہی گر گئی۔ قدمون نے بھی ایک سخت ہاتھ شرجبیل پر مارا۔ شرجبیل نے وار ڈھال پر لیا۔ تلوار ڈھال کو کاٹ گئی، مگر شرجبیل محفوظ رہے۔ قدمون نے غصہ کھا کر تلوار پھینک دی اور شرجبیل کو چمٹ گیا۔ شرجبیل نے بھی اپنی تلوار الگ کی۔ اور قدمون کے بازو پکڑ لئے۔ دونوں میں کشتی ہونے لگی۔ اہلِ اسلام یہ دیکھ کر گھبرائے۔ کیونکہ اب جسمانی زور کا کام آپڑا تھا اور جسمانی زور میں قدمون شرجبیل سے بہت زیادہ تھا۔ شرجبیل کاتبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ اسلام میں ایک خاص آدمی تھے۔ بہت سے مسلمان شرجبیل کی امداد کو پہنچنا چاہتے تھے، مگر قاعدہ جنگ کی رو سے مجبور تھے۔ کچھ دیر تک تو شرجبیل نے قدم جمائے رکھے اور قدمون کی پیش نہ جانے دی، مگر آخر قدمون نے شرجبیل کو اُٹھا لیا شرجبیل کے مُنہ سے "یاغیاث المستغیثین" نکلا۔ معاً رومی لشکر میں سے ایک زرہ پوش سوار بجلی کی طرح گھوڑا سرپٹ چھوڑے ہوئے میدان میں پہنچا۔ اُدھر قدمون شرجبیل کو اُٹھا کر اور زمین پر پچھاڑ کر اُن کے سینے پر چڑھا ہی تھا۔ کہ رومی سوار نے موقع پر پہنچ کر قدمون پر تلوار چلائی۔ اور اُس کا سر کاٹ کر الگ کر دیا۔ شرجبیل رضی اللہ تعالیٰ کا

شکر کرتے ہوئے میدان سے اُٹھے اور حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ معاملہ کیا تھا، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کاتب کی دُعا کہ "اے فریادیوں کی فریاد سُننے والے!" بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو گئی اور دشمن کے لشکر میں سے ایک سوار نے نکل کر شرحبیل کو قتل ہوتے سے بچا لیا، شرجیل نے پوچھا: "اے بھائی! تم کون ہو۔ کہ رومی لشکر سے نکل کر تم نے اپنے رفیق کو قتل کیا۔ اور رومیوں کے دشمن کی اعانت کی"؟

رومی سوار نے کہا: "میں رومی نہیں، میں خالص عرب ہوں۔ میں وہ بدبخت ہوں، جس کا نام طُلیحہ بن خُویلدِ اسدی ہے، جس نے نبوّت کا دعوےٰ کیا تھا۔ اور پیغمبرِ خدا کا مقابلہ کیا تھا۔ خالدؓ بن ولید نے جب میرے ہمراہیوں کو شکست دی، تو میں بخوفِ جان شام میں بھاگ آیا۔ میں نے اُس بیہودگی سے اب توبہ کر لی ہے۔ اور میں اس بات کا منتظر تھا۔ کہ کوئی اچھا کام مجھ سے ظہور میں آئے، تو میں اہلِ عرب کے سامنے جاؤں۔ اور صدقِ دل سے مسلمان ہو جاؤں۔ میں قسطنطین کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ ایک عربی سوار رومیوں کے بڑے نامی پہلوان کے مقابل دادِ شجاعت دے رہا ہے۔ تو میرے دل میں محبتِ وطن نے جوش مارا۔ جونہیں اُس نے تم کو زمین سے اُٹھایا، میں دیوانہ ہو کر بجلی کی طرح میدان میں پہنچا اور جو کچھ میں نے کیا۔ تم نے دیکھ لیا"۔

شرحبیل نے کہا: "اے طُلیحہ! تُم نے بڑا اچّھا کام کیا ہے اور

اہلِ اسلام تمہیں دیکھ کر بڑے خوش ہونگے" طلیحہ نے کہا: "میں خالدؓ بن ولید سے ڈرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دیکھ لیں گے، تو فی الفور قتل کر دینگے"۔ شرجبیل نے کہا: "خالد بن ولید اس لشکر میں نہیں ہیں۔ وہ ابو عبیدہؓ کے ہمراہ ہیں۔ تم میرے ہمراہ چلو۔ کوئی شخص تمہیں ایذا نہ دیگا، کیونکہ اب تم اپنی بیہودگی چھوڑ کر سچے دل سے مسلمان ہو گئے ہو"۔ ادھر شرجبیل طلیحہ کو ہمراہ لے کر اپنے لشکر کی طرف گئے۔ اُدھر قسطنطین نے قدمون کے مارے جانے پر غصہ کھا کر لشکر کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ عمرو بن عاص نے بھی لشکر کو بڑھنے کا حکم دیا۔ دونوں لشکر آپس میں مل گئے۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ اور دونوں لشکر جم کر لڑے۔ مگر رومیوں کے بہت سے آدمی قتل ہوئے۔ اتنے میں شام ہو گئی۔ اور دونوں لشکر جدا ہو کر اپنے اپنے کمپ میں چلے گئے۔

شرجبیل نے طلیحہ بن خویلد کو عمرو بن عاص کے سامنے پیش کیا۔ اور کہا: "طلیحہ صدق دل سے مسلمان ہو گئے۔ اور دعوائے نبوت سے توبہ کر لی۔ آپ انہیں معافی دیں"۔ عمرو نے کہا: "اے طلیحہ! میں تمہیں معاف کرتا ہوں، مگر میری رائے میں یہ مناسب ہو گا۔ کہ تم خلیفہؓ ثانی کی خدمت میں چلے جاؤ۔ اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ پھر تمہیں کوئی خوف نہ رہے گا اور سب مسلمان تمہاری عزت کرینگے"۔ طلیحہ نے کہا: "مجھے خلیفہؓ ثانی سے خوف آتا ہے۔ کہ کہیں دیکھتے ہی قتل نہ کر ڈالیں، کیونکہ اسلام کی مخالفت میں میں نے بڑا حصہ لیا ہے"۔

عمروؓ نے کہا:۔ "میں تمہیں خط لکھے دیتا ہوں۔ جب تم امیر المومنین کے روبرو جاؤ، تو میرا خط پیش کر دینا۔ میں اس میں لکھ دوں گا کہ تم نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور شرجیل کی جان بچائی ہے۔ امیر المومنین تمہیں معاف کر دیں گے اور زمرۂ اسلام میں داخل کر لیں گے"۔
طلیحہؓ راضی ہو گئے اور عمروؓ بن عاص کا خط لے کر خلیفہ ثانی کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے خط پڑھتے ہی انہیں معاف کر دیا اور ان کی بیعت قبول کر لی۔

جب صبح ہوئی، تو لشکرِ اسلام آراستہ ہو کر میدان میں نکلا، مگر رومیوں کا میدان میں نام و نشان تک نہ تھا۔ قسطنطین خوف کھا کر راتوں رات کوچ کر کے قیساریہ میں پہنچا۔ اور شہر کی حفاظت اپنے چچیرے بھائی کے سپرد کر کے آپ جہاز پر سوار ہو کر قسطنطنیہ کو بھاگ گیا۔

عمرو بن عاص تنہا لشکر لے کر قیساریہ کے سامنے اُتر پڑے اور قیساریہ کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ قیساریہ نے کچھ عرصہ مقابلہ کیا۔ مگر قسطنطین کے بھاگ جانے سے وہ ایسے بے دل ہو گئے تھے۔ کہ انہوں نے اہلِ عرب سے صلح کر لینے کا ارادہ کر لیا۔ ان کے چند سرکردہ آدمی عمرو بن عاص کے پاس آئے۔ اور امان کے خواہاں ہوئے۔ عمرو بن عاص نے اُن کو امان دی اور اُن سے صلح کر لی۔

عمرو بن عاص نے ابو عبیدہؓ کو فتح قیساریہ سے اطلاع دی۔ اور ایک خط مع مالِ خمس کے خلیفۂ ثانی کی خدمت میں عرفجہ بن مازن

1 کے ہاتھ روانہ کیا۔ عرفجہ جب خلیفہ ثانی کی خدمت میں پہنچے، تو ایک خوشنما ریشمی عمامہ سر پر باندھے ہوئے اور ایک خوش رنگ ریشمی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ خلیفہ ثانی نے اُن کی طرف بغور دیکھا اور کہا:" اے مازن کے بیٹے! کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اچھی نہیں لگتی؟ تمہیں علم نہیں کہ زیب و زینت عورتوں کیلئے مخصوص ہے؟ تم نے عورتوں کا لباس کس لئے پہنا ہے؟ کیا تمہیں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کہ تم اِن ریشمی کپڑوں کو فروخت کرکے اِن کی قیمت غربا اور مساکین میں تقسیم کردو؟ سنو، ایک دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا، تو اُس وقت آپ ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور چٹائی کے نشان جسم مبارک پر دکھائی دے رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا بلند ہے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے افضل البشر بنایا ہے۔ پھر کیا باعث ہے کہ قیصر روم اور کسرائے فارس تو نرم نرم گدیلوں پر آرام کرتے۔ اور دن رات عیش میں بسر کرتے ہیں۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہو کر فقر فاقے اور تنگی میں بسر کرتے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اے عمر! آیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ دُنیا قیصر و کسریٰ کے لئے ہے۔ اور آخرت ہمارے لئے؟ عرفجہ اِن کلمات سے نہایت متاثر

ہوئے اور رو کر عرض کی: "میں ابھی جاکر ان ریشمی کپڑوں کو فروخت کردوں گا۔ اور آپ کے ارشاد کے بموجب ان کی قیمت مساکین میں تقسیم کردوں گا۔" حضرت عمرؓ یہ سُنکر خوش ہوئے اور اُن کے حق میں دُعائے خیر کی۔ پھر عمرو بن عاص کا خط پڑھا۔ اور فتح قیساریہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ تمام مومنوں کو خط سُنایا۔ اور سب خوش ہوکر اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے لگے۔ قیساریہ کا حاکم معاویہ بن ابی سفیان کو مقرر فرمایا۔

اس طرح حضرت عمرؓ کی خلافت کے پانچویں سال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات سے سات سال کے اندر ملکِ شام اور فسلطین اہلِ عرب کے زیرِ نگیں ہوگئے۔ اور اسی عرصے کے اندر عراق عربی اور جزیرے کا علاقہ مع دارالخلافہ مدائن کے اہلِ عرب کے قبضے میں آگیا۔ اِدھر ہرقل شاہِ قسطنطنیہ اور اُس کا بیٹا شام اور فلسطین سے بھاگ کر اور اپنے شاداب صوبے اور اپنے مذہب کے مرکز کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ کر قسطنطنیہ میں چلے گئے۔ اور ادھر یزدگرد شاہِ ایران اپنے زرخیز صوبے اور اپنا پائے تخت عربوں کے حوالے کرکے طبرستان کی طرف بھاگ گیا (جس کا مفصل ذکر فتح مصر کے بعد کیا جائے گا) اور اس طرح ۱۷ سنہ ہجری نہایت خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہوا۔

سنہ ۱۸ ھ میں شام میں طاعون پھیل گیا۔ اور اہلِ عرب پر

اس کا ایسا اثر پڑا کہ پچیس ہزار عرب اس موذی مرض کا شکار ہو گئے ابو عبیدہؓ بن جراح، یزید بن ابی سفیان، شرجیل بن حسنہ اور بہت سے دیگر نامور آدمی طاعون میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ اہل عرب کی فریاد مدینے تک پہنچی، اور حضرت عمرؓ پھر مدینے سے شام میں آئے۔ اہل عرب کو پہاڑوں اور ریگستانوں میں منتشر ہونے کا حکم دیا۔ اتنے میں طاعون بھی کم ہو گیا اور حضرت عمرؓ معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق کا گورنر مقرر کر کے اور عمرو بن عاص کو مصر پر فوج کشی کا حکم دے کر مدینے واپس چلے گئے۔

۷۔ فتح مصر

جب سنہ ۱۷ ہجری کے آخر میں شمالی شام میں اہل عرب کے خلاف شاہ ہرقل نے بغاوت برپا کرادی۔ اور قیساریہ کے راستے مصر سے بکثرت رومی فوج بھیج دی۔ تو بغاوت فرو کرنے اور رومی فوج کو شکست دینے کے بعد ضروری سمجھا گیا۔ کہ قیساریہ کو بھی فتح کیا جائے عمرو بن عاص نے خلیفہ ثانیؓ کے حکم کے بموجب قیساریہ کو فتح کرلیا مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے خلیفہ ثانیؓ کی خدمت میں یہ عرضداشت بھیجی کہ قیساریہ تو فتح ہو گیا۔ لیکن جب تک مصر نہ فتح ہو جائے گا۔ رومیوں کی طرف سے اہل عرب کو ہمیشہ اندیشہ ہی رہے گا۔ کیوں کہ ساحل فلسطین کی تمام بندرگاہوں سے مصر کا راستہ کھلا پڑا ہے اور خشکی کا راستہ بھی مصر کے لئے موجود ہے۔ گو خشکی کی طرف سے حملہ ہو، تو اہل عرب اس کی روک کر سکتے ہیں۔ مگر سمندر کی طرف سے کوئی روک نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ ہمارے پاس جہاز نہیں ہیں، اور رومی جب چاہیں، جہازوں میں فوج سوار کر کے فلسطین کی کسی بندرگاہ پر بآسانی اُتار سکتے ہیں۔ اس لئے اہل عرب کی حفاظت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کہ مصر کو فتح کیا جائے۔ اور رومیوں کا خدشہ

اس طرف سے مٹا دیا جائے۔ مگر حضرت عمرؓ کی پالیسی، جو نہایت دُور اندیشی پر مبنی تھی، اور جس کی یورپین آج تک بڑی تعریف کرتے ہیں، یہ تھی کہ زیادہ فتوحات نہ کی جائیں۔ بلکہ جس قدر علاقہ قبضے میں آچکا ہے۔ اُسے خوش حال کریں۔ اور عرب سلطنت کی بنا مضبوط کر کے ماتحت اقوام میں عدل و انصاف قائم کریں، اُن کی زرعی حالت کو ترقی اور حرفت و تجارت کو فروغ دیں اور اُنہیں اسلامی قواعد و ضوابط سے مستفیض کر کے اہل عرب سے اُن کو مانوس کریں۔ تاکہ اہل عرب سے اُن کے تعلقات محبانہ اور برادرانہ ہو جائیں، اس لئے اُنہوں نے عمروؓ بن عاص کی درخواست کو نامنظور کیا اور کہا کہ زیادہ فتوحات کرنے سے موجودہ فتوحات پر قناعت کرنا اچھا ہے۔"

عمروؓ بن عاص یہ جواب سُنکر خاموش ہو گئے۔ مگر جب حضرت عمرؓ ۱۸ھ سنہ ہجری کے ابتدا میں طاعون کے وقت اہل عرب کو تشفی دینے اور شام کا انتظام کرنے آئے، تو عمرو بن عاص نے، جو ابو عبیدہؓ کی وفات کے بعد شام میں اعلیٰ افسر تھے، حضرت عمرؓ کی خدمت میں پھر مصر پر چڑھائی کرنے کا سوال پیش کر دیا اور ایسے زبردست دلائل پیش کئے۔ کہ حضرت عمرؓ نے آخر کار اس ضرورت کو تسلیم کر لیا۔ اور معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق میں اعلیٰ افسر مقرر کر کے عمرو بن عاص کو مصر پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا اور آپ واپس مدینے

تشریف لے گئے۔ چنانچہ عمرو بن عاص صرف چار ہزار جوان ہمراہ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ بات نہایت ہی قابلِ غور ہے کہ ملکِ مصر جس پر چڑھائی کرنے کے لئے کبھی کوئی حملہ آور دو لاکھ سے کم فوج نہ لے گیا تھا، بلکہ بعض حالتوں میں حملہ آور فوج کی تعداد تین ساڑھے تین لاکھ تک بھی پہنچی اُس مُلک کو فتح کرنے کے لئے صرف چار ہزار عرب روانہ ہوئے۔ حالانکہ مصر میں رومی فوجیں بکثرت تھیں۔ اور مصری فوجیں الگ تھیں مگر اِن مسلمانوں کا ایمان اور بھروسہ اپنے اللہ تعالیٰ پر دیکھو۔ کہ نسبتاً مٹھی بھر جماعت ایک طاقتور ملک پر حملہ کرنے نکلی۔ کوئی شُبہ نہیں۔ کہ یہ خداداد ہمت اور حوصلہ اہلِ عرب ہی کا حصّہ تھا۔ مثل مشہور ہے۔ کہ گیدڑ کا شکار کرنے نکلو۔ تو شیر کا سامان ہمراہ لے لو، مگر یہاں اہلِ عرب شیر کے مقابلے پر جاتے ہیں اور سامان گیدڑ کے شکار کے لئے بھی کافی نہیں۔ خود حضرتِ عمرؓ کو، جو نہایت دُور اندیش تھے، اس قلیل جماعت کی طرف سے فکر دامن گیر ہوئی۔ اور مدینے پہنچتے ہی اُنہوں نے ایک قاصد تیز رفتار اُونٹ پر سوار کر کے عمرو بن عاص کی طرف روانہ کیا۔ اور لکھ بھیجا: "اگر مصر کی سرزمین میں پہنچنے سے پہلے خط مل جائے، تو واپس آجاؤ۔ لیکن اگر تم قاصد کے پہنچنے پر مصر کی سرزمین میں پہنچ گئے ہو۔ تو پھر تن بہ تقدیر بڑھے جاؤ اور توکل بخدا مصر میں جنگ شروع کر دو۔ مَیں نے تم کو اللہ تعالیٰ

کے سپرد کیا۔ اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہے۔"

عمرو بن عاص لشکر سمیت مقام عریش میں، جہاں سے مصر کی حد شروع ہوتی ہے، خیمہ زن تھے کہ حضرت عمرؓ کا قاصد خط لئے ہوئے پہنچا۔ عمرو بن عاص نے خط لے کر کھولا۔ اور پڑھ کر اپنے ہمراہیوں کو سنایا اور کہا: "اب ہم مصر کی حدیں پہنچ چکے ہیں اور اب بموجب حکم امیر المومنینؓ ہمیں تن بہ تقدیر و توکل بخدا آگے بڑھنا چاہیئے۔" حاضرین نے بسر و چشم خلیفہؓ کے حکم کو منظور کر لیا۔ اور بالاتفاق کہا: "ہم اللہ کی راہ میں جانیں نثار کرنے کا تہیہ کر کے آئے ہیں۔ اور اس بات کا دل سے عہد کر چکے ہیں۔ اب منہ نہیں موڑنا چاہیئے۔ اور امیر المومنینؓ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے ہم اس کی حفاظت میں ہیں اور وہی ہمارا بھروسہ اور تکیہ ہے۔"

عمرو بن عاص یہ سنکر بہت خوش ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ جب وہ پلوسیم (فرمہ) کے قریب پہنچے، تو رومی فوج سے مقابلہ پیش آیا۔ جو سرحد کی حفاظت کے لئے وہاں متعین تھی۔ اہل عرب نے تین ہفتے میں اس مقام کو فتح کیا۔ اور رومی فوج کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اس لڑائی کے مفصل حالات تاریخوں میں نہیں ملتے۔ یہ مقام یعنی فرمہ مصر کی کنجی سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کو مصر کا دروازہ بھی کہتے تھے۔ اس لئے کہ جب کبھی مصر پر کوئی بیرونی حملہ ہوتا تو اس مقام پر پہلی لڑائی ہوتی اور اس کو فتح کرنے

کے بعد حملہ آوروں کو ممفس تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہ آتی، کیونکہ راستے میں کوئی اور مضبوط قلعہ نہ تھا۔ عمرو بن عاص نے بھی فرما سے ممفس کا رُخ کیا، کیونکہ وادیِ ڈلٹا کی طرف بڑھنے میں دریائے نیل کی متعدد شاخوں اور نہروں کے حائل ہونے کی وجہ سے اہلِ عرب کے لئے جن کے پاس پُل باندھنے کا سامان نہیں تھا، راستہ نہایت دشوار گزار تھا۔

یونانیوں کی فتح کے بعد مصر کا دارالخلافہ اسکندریہ مقرر ہو چکا تھا جو خود اسکندرِ اعظم نے دریائے نیل کے دہانے پر آباد کیا تھا۔ رومیوں نے بھی اسکندریہ کو ہیڈ کوارٹر بنائے رکھا، اس لئے کہ اسکندریہ کا راستہ روما اور قسطنطنیہ کی طرف بالکل کھلا تھا۔ شاہِ قسطنطنیہ کی طرف سے اسکندریہ میں ایک رومی گورنر رہتا تھا جو تمام مُلک پر حکمران تھا، لیکن رومی گورنمنٹ نے ٹیکس باسانی وصول کرنے اور رعایا کو مطیع و منقاد رکھنے کی غرض سے قبطی سردار بھی مقرر کر رکھے تھے۔ اُنہیں میں سے ایک سردار مقوقس تھا جو اس وقت ممفس میں سکونت پذیر تھا۔ اور قیصر کی طرف سے خراج جمع کرنے کا منتظم تھا۔ وہ بڑا مال دار آدمی تھا اور شہزادوں کی طرح اوقات بسر کرتا تھا۔ اس نے قیصر کی نظروں میں مقبول ہونے کی خاطر مذہب عیسوی بھی اختیار کر لیا تھا، مگر وہ بھی اپنے ہم وطنوں کی طرح جیکوبائٹ فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اور مصری کلیسیا کا پیرو تھا۔ اسکندریہ کے یونانی

کلیسیا کی طرف سے قبطیوں کو بہت اذیت پہنچتی رہتی تھی۔ اور رومی حکام بھی ان پر نہایت سختی کرتے تھے۔ جو کچھ پیداوار ہوتی تھی، وہ روما اور قسطنطنیہ میں پہنچ جاتی تھی اور محنت کرنے والے فاقہ کشی کی مصیبت اُٹھاتے تھے۔ علاوہ اس کے رومیوں نے مصریوں پر گرانبار ٹیکس لگا رکھے تھے اور رومیوں کے ہاتھ سے رعایا نہایت تنگ اور پریشان تھی۔ مقوقس بھی اپنی قوم کی ذلت اور تکلیف کو محسوس کرتا تھا۔ مگر خود غرضی اور شاہی رُعب کی وجہ سے کچھ کر نہیں سکتا تھا۔

یہ مقوقس وہی تھا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ھ میں دعوتِ اسلام دی تھی۔ اور اس کو ایک خط روانہ فرمایا تھا، جیسے کہ شاہِ ایران (کسریٰ) شاہِ قسطنطنیہ (قیصر) اور بنی غسان کے بادشاہ کو دعوتی خطوط ارسال کئے تھے۔ مقوقس نے قاصد کی بڑی خاطرداری کی اور نامہ پڑھ کر اسلام تو قبول نہ کیا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے تحفے ارسال کئے اور جواب بھی نہایت مؤدبانہ لکھا جب عمرو بن عاص مع اپنے لشکر کے ہیلیو پلیس (عین شمس) کے قریب پہنچے، جہاں پہلے ایک بڑا مندر تھا اور اب گرجا بن گیا تھا، تو گرجے کے بشپ نے عمرو بن عاص سے مل کر چار دن کی مہلت مانگی تاکہ اس عرصے میں اگر ممکن ہو تو اہلِ عرب سے صلح کر لی جائے، مگر چار دن کے بعد رُومی فوج میدان میں نکل کھڑی ہوئی اور خوں ریز معرکہ

ہُوا۔ انجام کار رومیوں کو شکست ہوئی اور وُہ بھاگ کر ممفس میں، جو وہاں سے چند میل کے فاصلے پر تھا، چلے گئے۔ عمرو بن عاص بھی کُوچ کر کے ممفس کی طرف بڑھے، مگر رومی فوج قلعہ بند ہو گئی۔ اور اہلِ عرب نے قلعے کے مقابل کیمپ لگا دیا۔

ممفس مصر کا قدیم شہر تھا۔ اس شہر کو مسیح سے پانچ ہزار اور بقولِ بعض، چار ہزار سال پہلے مصر کے پہلے بادشاہ نے بنایا تھا۔ یونانی حملے کے وقت تک یہ شہر مصر میں اوّل درجے کا شہر تھا، مگر اسکندریہ آباد ہونے پر ممفس دوسرے درجے پر سمجھا جانے لگا۔ اس شہر نے سینکڑوں حملہ آور دیکھے اور سینکڑوں ہی معرکے اسے پیش آئے تھے۔ مگر ابھی تک اس کی فصیل بدستور تھی، قلعہ بدستور مضبوط اور محفوظ تھا۔ اور فصیل کے گرداگرد ایک بڑی خندق تھی۔ علاوہ اس کے مشرقی طرف سے دریائے نیل کی حفاظت میسر تھی۔ خندق میں لوہے کی گوکھرو، چھریاں، کلہاڑیاں وغیرہ ڈال دی تھیں۔ تاکہ حملہ آور خندق کو عبور نہ کر سکیں۔ عمرو بن عاص نے ممفس کا محاصرہ کر کے اس پر حملے شروع کر دیئے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے پاس جب ان کا قاصد عریش سے واپس آکر پہنچا۔ اور اس نے اہلِ عرب کے عزم بالجزم سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، تو آپ نے کمک کے لئے ایک فوج تیار کر کے بسرکردگی زبیر بن عوام روانہ کر دی۔ اس فوج میں علاوہ مشہور شجاع زبیر بن عوام کے عبادہ

بن صامت، مقداد بن عمرو اور مسلمہؓ بھی شامل تھے، جو ایک ایک ہزار سوار کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ یہ فوج بقولِ بعض چار ہزار تھی اور بعض کے نزدیک دس ہزار، لیکن آخری روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

یہ کمکی فوج اس وقت پہنچی۔ جب کہ عمرو بن عاص ممفس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ عمرو بن عاص نے قلعے پر کئی حملے کئے، مگر ہر بار ناکامی ہوئی اور ہر بار اُن کو پسپا ہونا پڑا۔ وجہ اس کی یہ تھی۔ کہ اہلِ عرب کے پاس قلعے توڑنے اور فصیلیں مسمار کرنے کے آلات نہیں تھے۔ وہ محاصرے کے وقت صرف اتنا ہی کر سکتے تھے۔ کہ اہلِ قلعہ کا بیرونجات سے تعلق قطع کر دیں۔ اور قلعے پر جرأت اور شجاعت سے حملے کرتے رہیں۔ اِس لئے جو قلعے زیادہ مضبوط ہوتے تھے، اُن کے محاصرے میں بہت عرصہ لگ جاتا تھا۔ ممفس میں بھی یہی صورت پیش آئی۔ رومی فوج محاصرے سے تنگ تو تھی، مگر چونکہ رسد کا سامان قلعے کے اندر بہت تھا، اس لئے برابر مقابلے پر اڑی رہی۔ اہلِ عرب بھی اُن کے مقابلے پر ڈٹے رہے۔ اور روز کی ناکامی سے اُن کے عزم میں کچھ فرق نہ آیا۔

ایک دن رومی افسر نے اپنے ہمراہیوں سے مشورۃً کہا: ہمیں اہلِ عرب سے کس طرح نجات مل سکتی ہے؟ یوں کب تک چوہوں کی طرح بل میں گھسے رہیں؟ کیوں نہ میدان میں نکل کر اُن کا مقابلہ

کریں؟" ماتحت سرداروں اور مقوقس نے اس کے جواب میں کہا:-
اہلِ عرب کا میدان میں مقابلہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ اب تک کسی میدان میں ان کو شکست نہیں ہوئی۔ کسی تدبیر سے غلبے کی کوشش کی جائے، تو ممکن ہے، مغلوب ہو جائیں اور ایک دفعہ مغلوب ہو گئے، تو پھر اس طرف آنے کی جرأت نہ کریں گے۔" رومی افسر نے پوچھا: "وہ کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟" ایک شخص نے کہا: "اہلِ عرب جمعے کے دن سب کے سب نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اُس وقت اگر اچانک اُن پر حملہ کیا جائے، تو عجب نہیں کہ مغلوب ہو جائیں۔"

اس تجویز کو سب نے پسند کیا۔ رومی افسر نے چار ہزار سواروں کا ایک دستہ مقرر کر کے جمعے کی رات کو پچھلے پہر کے قریب قلعے سے باہر نکالا اور اُن کے افسر کو ہدایت کی کہ تم عربی کیمپ سے کچھ فاصلے پر اپنے دستے کو گھات میں بٹھا دینا۔ جب دوپہر کے بعد اہلِ عرب نماز میں مشغول ہوں، تو اس وقت حملہ کر دینا۔ اہلِ عرب چونکہ جانتے ہیں۔ کہ ہم سب قلعے میں محصور ہیں، اس لئے اُن کو ہماری طرف سے کچھ اندیشہ نہ ہو گا۔ اور اپنی حفاظت کے لئے کوئی خاص احتیاط کرنے کا ان کو خیال ہی پیدا نہ ہو گا۔

اُدھر تو یہ تجویز پختہ ہوئی، اِدھر جمعے سے ایک دن پہلے عمرو بن عاص کو اطلاع دی گئی کہ لشکر کے لئے رسد کم ہو گئی ہے۔ عمرو بن عاص نے اُسی وقت بار برداری کے اُونٹ ایک دستہ فوج

کے ہمراہ کرکے آس پاس کے گاؤوں میں رسد خریدنے کے لئے بھیج دیئے۔ جب جمعے کی نماز کا وقت قریب ہوا۔ تو سب لشکری نہادھوکر جمعے کی نماز کے لئے میدان میں جمع ہوئے۔ عمرو بن عاص نے خطبہ پڑھا۔ اور اس کے بعد نماز شروع کی۔ مقتدی پہلی رکعت کے بعد سجدے میں گئے تھے کہ رومی دستہ تلواریں کھینچے ہوئے اُن پر آ پڑا اور آخری صف پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ صف کی صف کٹ گئی مگر نماز کسی نے ترک نہ کی۔ آخر میں محض تائیدِ آسمانی سے وہ اسلامی دستہ، جو رسد لانے کے لئے گیا ہؤا تھا۔ سامانِ رسد لے کر پہنچ گیا۔ جمعے میں اپنے ہمراہیوں کو نماز میں قتل ہوتے دیکھا، تو رسد کے اونٹ وہیں چھوڑ کر اللہ اکبر کے نعرے مارتے ہوئے رومیوں پر ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ رومی پیچھے ہٹ کر مقابلہ کرنے لگے، مگر اہلِ عرب کے حملے کے سامنے اُن کی کیا حقیقت تھی، بالخصوص جب کہ اُن کو اپنے ہمراہیوں کے قتل کے خیال نے دیوانہ کردیا۔ عمرو بن عاص اور اُن کے ہمراہی بھی نماز ختم کرکے فی الفور تلواریں کھینچ کر اپنے ہمراہیوں کی امداد کو پہنچ گئے۔ پھر رومیوں کا کہاں ٹھکانا تھا؟ رومی دستے کا سردار بھی قتل ہوگیا۔ اور اُس کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ باقی دہشت زدہ ہوکر قلعے کی طرف بھاگ گئے۔ اہلِ عرب نے اُن کا تعاقب نہ کیا۔ بلکہ اپنے زخمیوں کی طرف واپس آئے اور دیکھا کہ علاوہ بہت سے زخمیوں کے چار سو چھبیس آدمی

شہید ہو گئے۔ اُن کو بعدِ نمازِ جنازہ دفن کیا گیا۔ ان میں زیادہ تر وادئی طائف اور یمن کے لوگ تھے۔ عمرو بن عاص نے اس دردناک واقعے کی اطلاع حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دی۔ حضرت عمرؓ نے خط پڑھ کر فرمایا۔ کہ میں عمرو بن عاص کو ہوشیار اور صاحبِ تدبیر سمجھتا تھا۔ لیکن جب پروردگار کا حکم ہوتا ہے۔ تو ہوشیار آدمی کی بھی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد عمرِو عاصؓ مندرجۂ ذیل خط لکھا:۔

"عمر بن خطاب کی طرف سے عمرو بن عاص کے نام۔ تم پر اللہ تعالےٰ کی سلامتی ہو۔ میں اُس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی لائقِ پرستش و عبادت نہیں اور اُسکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ تمہارے خط سے دشمن کے مکروفریب کا حال معلوم ہوا۔ خیر یہ تو نوشتۂ تقدیر تھا۔ اے ابن عاص! تمہارے لئے لازم تھا کہ دشمن کی جانب سے مطمئن نہ ہو جاتے۔ میں تمہیں عاقل و دانا اور باتدبیر سمجھتا ہوں۔ مگر یوں سمجھو کہ یہ امر شدنی تھا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں گزر چکا تھا۔ آئندہ نہایت احتیاط رکھنا اور مسلمانوں کی حفاظت میں سستی نہ کرنا، خوب یاد رکھو کہ جو شخص نگہبان ہوگا۔ اُس سے رعیت کے حال کی بابت پرسش کی جائیگی، لہٰذا تم اپنے فرضِ منصبی

کا خوب خیال رکھو اور دشمن سے کبھی بے خوف نہ رہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی بندگی میں ہماری تمہاری امداد فرمائے اور تم پر اور تمہارے ساتھیوں پر اللہ تعالیٰ کی برکت اور سلامتی ہو۔"

ممفس کے محاصرے میں پانچ ماہ گذر گئے اور دریائے نیل میں طوفان کا موسم قریب تھا۔ رومی خوش تھے۔ کہ نیل میں طوفان آنے کے وقت یا تو اہلِ عرب محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے یا سیلاب میں غرق ہو جائیں گے۔ ادھر زبیر بن عوّام نے عمرو بن عاص کو یہ مشورہ دیا۔ کہ سیلاب آنے سے پہلے قلعے کو فتح کرنا ضروری ہے، ورنہ ہم کو حسرت کے ساتھ محاصرہ اُٹھانا پڑے گا۔ عمرو بن عاص نے کہا: "ہم کوشش تو بہت کرتے ہیں، مگر قلعہ فتح ہونے ہی میں نہیں آتا۔" زبیرؓ نے کہا: "بغیر جانبازی کے قلعے کا فتح کرنا دشوار ہے، مجھے اجازت دیجئے، تو میں اس کام کو اپنے ذمّے لیتا ہوں۔" عمرو بن عاص نے اجازت دے دی۔ زبیرؓ نے فی الفور سیڑھیاں تیار کرنے کا انتظام کیا اور اس کے بعد چیدہ اور جانباز نوجوان کا دستہ ہمراہ لے کر قلعے پر دھاوا کیا۔ قلعے سے پتھر برسائے گئے۔ مگر پُرجوش زبیر نے کوئی پروا نہ کی۔ اور خندق تک جا پہنچے۔ خندق میں سے گزر کر فصیل پر سیڑھیاں لگا دیں۔ سب سے پہلے زبیرؓ نے فصیل پر چڑھ کر اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ پھر اُن کے ہمراہی بھی فصیل پر چڑھ گئے۔ رومیوں نے فصیل پر اُن کا جان توڑ مقابلہ کیا، مگر جانباز عربوں نے اُن کو

کاٹ ڈالا۔ اور فصیل سے گزر کر لڑتے بھڑتے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ عمرو بن عاص جو تجویز کے مطابق قلعے میں داخل ہونے کے لئے تیار تھے، مع باقی لشکر کے بلا روک ٹوک آگے بڑھے اور لشکرِ اسلام قلعے میں داخل ہو گیا۔ رومی سپاہی تو بھاگ کر اُن جہازوں میں، جو دریائے نیل میں کھڑے تھے، سوار ہو کر اسکندریہ کو چلے گئے۔ اور مقوقس اور اُس کے ہمراہیوں نے امان مانگ لی۔ اور جزیہ دینا منظور کر لیا۔ زبیر نے کہا: "قلعہ ہم نے بزورِ شمشیر فتح کیا ہے۔ علاوہ اس کے دشمنوں نے ہمارے ہمراہیوں کو نماز پڑھتے ہوئے فریب سے قتل کیا ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ ان کے ساتھ آئینِ جنگ کے مطابق سلوک کریں۔" مقوقس نے کہا: "جن لوگوں نے تمہارا مقابلہ کیا ہے اور جنہوں نے فریب سے تمہارے آدمی قتل کئے ہیں، وہ تو رومی

ے ایڈورڈ گبن لکھتا ہے کہ رومیوں میں ایسی بھاگڑ پڑی کہ مصر کے تمام بالائی حصے سے رومی مجسٹریٹ اور جج اپنی عدالت کی کرسی چھوڑ گئے، رومی پادری گرجے خالی کر گئے اور رومی فوجیں اپنے قلعوں سے نکل گئیں۔ غرض اُن میں سے ایک بھی وہاں نہ رہا اور اگر اسکندریہ تک پہنچنے کا دریائی راستہ نہ ہوتا، تو اس ذلیل و نجس نام سے دینی، لسانی یا پیدائشی تعلق رکھنے والا ایک متنفس بھی جان بچا کر نہ بھاگ سکتا۔ مصری رعایا، جو رومیوں کے تشدد اور ظلم سے تنگ آئی ہوئی تھی، خود ان کا صفایا کر دیتی۔

تھے، جو بھاگ گئے۔ ہم تو مصر کے باشندے ہیں۔ اور رومیوں کی رعایا تھے۔ اُن کے دباؤ کی وجہ سے ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے، ورنہ ہم بخوشی آپ کی حفاظت میں آجاتے، کیونکہ ہم رومیوں کے ظلم سے نہایت تنگ آگئے تھے۔ اور اہل عرب کے سلوک کو نہایت پسند کرتے ہیں۔" اس پر عمرو بن عاص نے زبیرؓ سے کہا: "مقوقس نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ نیک سلوک کیا تھا۔ اِس لئے ہم اُن کی اُمت کو چاہیئے کہ مقوقس اور اُن کے ہموطنوں کے ساتھ اُس معاوضے میں نیک سلوک کریں اور بجائے آئینِ جنگ کے اُن کے ساتھ مروّت سے پیش آئیں۔" زبیرؓ نے بھی اِس بات کو تسلیم کر لیا۔ اور مقوقس اور اُس کے ہموطنوں کو امان دے دی۔ اس پر مقوقس نے کہا: "بلاشبہ آپ نے ہم سے ایسا سلوک کیا ہے، جو کسی حملہ آور نے مصریوں کے ساتھ کبھی نہیں کیا تھا۔ ہم ہر طرح سے آپ کی تابعداری کریں گے اور رومیوں کے خلاف ہر طرح آپ کو امداد دیں گے۔" اس پر عمرو بن عاص نے کہا:۔ "اگر تمہارے ہم وطن ہم کو رومیوں کے خلاف امداد دیں گے، تو ہم پہلے سال کا جزیہ (خراج) تم سب کو معاف کر دینگے اور دوسرے سال وصولی شروع کرینگے۔" جب مقوقس کے حسب دل خواہ معاہدہ تحریر ہو چکا، تو عمرو بن عاص نے اسکندریہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ مقوقس نے کہا: "اسکندریہ تک خشکی کے راستے پہنچنا آپ کا

نہایت مشکل ہوگا، کیونکہ ڈیلٹا میں دریائے نیل کی اس قدر شاخیں پھیلی ہوئی ہیں کہ قدم قدم پر آپ کو رکاوٹ پیش آئے گی۔ آسان رستہ تو دریائی تھا، لیکن رومی سب جہاز لے گئے۔" عمرو بن عاص نے کہا: "ہم دریائی راستے پر خشکی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم خشکی ہی کے راستے اسکندریہ پر چڑھائی کریں گے۔ تم معاہدے کے مطابق قبطیوں کو اس کام پر لگا دو کہ ہمارے راستے میں جس قدر نہریں آئیں، اُن پر عارضی پل بناتے جائیں۔" مقوقس نے اس بات کو بخوشی منظور کر لیا۔

مصریوں میں ایک روایت چلی آتی تھی۔ کہ ایک مختون قوم مصر پر حملہ آور ہوگی۔ اور وہ مصریوں کو رومیوں کے ظالمانہ پنجے سے رہائی دلائیگی۔ یورپین مورخ لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے یہ بات مشہور کر رکھی تھی، کیونکہ وہ مختون تھے اور ان کا یہ منشا تھا کہ کسی طرح قبطیوں کو ساتھ ملا کر مصر پر غلبہ حاصل کریں۔ مگر یہ روایت صحیح ہوگئی، کیونکہ اہل عرب نے، جو مختون قوم تھی، مصریوں کو رومی تشدد سے نجات دلوائی +

۸- فتحِ اسکندریہ

اِسکندرِ اعظم نے ۳۳۲ء قبل مسیح میں بعد از فتح مصر اس کی بُنیاد بحیرۂ روم کے کنارے دریائے نیل کے دہانے پر رکھی تھی۔ اِس کی صورت مستطیل تھی، یعنی لمبائی میں تقریباً چار میل تک چلا گیا تھا۔ اور عرض میں صرف ایک میل یا کچھ کم تھا۔ موقع نہایت عمدہ تھا۔ اس کے جنوب میں ایک جھیل تھی اور شمال میں بحیرۂ روم تھا۔ دریائے نیل کے راستے جہاز جنوب میں ممفس اور تھیبس تک چلے جاتے تھے۔ بحیرۂ روم کے راستے فلسطین، ایشیائے کوچک یونان اور دیگر ممالک یورپ میں پہنچ جاتے تھے۔ اس شہر کے تین حصے کئے گئے تھے: شمال مشرق کی طرف یہودی آباد کئے گئے، مغرب میں مصریوں کی آبادی تھی اور درمیان میں یونانیوں کی۔ مناسب موقع پر ہونے کی وجہ سے یہ شہر تجارت کی بڑی منڈی بن گیا۔ ایشیا، یورپ اور افریقہ کا تمام مالِ تجارت اِسی راستے گزرنے لگا۔

اِسکندر کی وفات کے بعد بطلیموس نے اس شہر کو بڑی رونق دی۔ اور بڑے عالی شان مکانات تعمیر کئے۔ اس کی آبادی

بہت جلد ترقی کر گئی۔ چنانچہ اسلامی حملے کے وقت اس میں صرف مردوں کی تعداد چھ لاکھ کے قریب تھی جس میں ستر ہزار یہودی اور دو لاکھ یونانی تھے، باقی مصری اور کچھ دیگر اقوام کے لوگ تھے مگر مصری زیادہ تر غلام تھے۔ چنانچہ ایک مؤرخ نے بیان کیا ہے۔ کہ مصری غلاموں کی تعداد تقریباً تین لاکھ تھی۔

بطلیموس نے اس شہر کے گرداگرد بڑی مضبوط فصیل بنائی اور جا بجا عالیشان برج تعمیر کئے، جن میں تھوڑی سی فوج بھی حفاظت کے لئے رکھی جاتی، تو چالیس پچاس ہزار سے کم نہ ہوتی۔ اس شہر نے علاوہ تجارتی ترقی کے علوم و فنون میں بھی ترقی کی اور ابتدائی یونانی بادشاہوں کے وقت میں تمام دنیا کا علمی مرکز یہی شہر تھا۔ اور اس شہر کا کتب خانہ، جو یونانی شاہان مصر نے قائم کیا تھا۔ دنیا بھر کے کتب خانوں میں اول درجے پر سمجھا جاتا تھا

سنہ ۳۰۶ قبل مسیح میں یونانی بادشاہ بطلیموس نے ایک علمی مدرسے کی بنیاد ڈالی اور یونان کے شہر ایتھنز سے بڑے بڑے علماء و فضلا بلوائے اور مدرسے کے متصل اُن کے شاگردوں کے لئے عالی شان مکان بنایا۔ جس میں وہ شاہی عطیئے پر گزارہ کرتے تھے۔ اُن کو ہر طرح کی آسامیاں دی گئیں۔ بادشاہ کے ہاں ان کی بڑی قدر تھی۔

بطلیموس کے دو جانشینوں نے اس مدرسے کو اور بھی رونق

دی اور ایک بڑا کتب خانہ تعمیر کر کے اس سے ملحق کر دیا، جس میں چار اطرافِ عالم سے ہر قسم کے علوم و فنون کی کتابیں جمع کی گئیں۔ خصوصاً فلسفے کی کتابیں اس میں بکثرت تھیں۔ یہودیوں اور مصریوں کی تصانیف بھی اس میں موجود تھیں۔ بلکہ ایتھنز سے جس قدر کتابیں مل سکیں، وہ سب اس میں لا کر رکھی گئیں۔ اور یہ حکم جاری کیا گیا۔ کہ جو مسافر اسکندریہ میں آئے اور اُس کے پاس کسی مضمون کی کوئی کتاب ہو۔ تو جبراً لے کر کتب خانے میں داخل کر دی جائے۔ مگر بطلیموس کے آخری جانشینوں کے وقت میں اس کتب خانے اور مدرسے میں زوال آنا شروع ہو گیا اور اسکندریہ کی تجارت بھی کم ہو گئی، کیونکہ شاہانِ وقت بڑے بدشوق اور نالائق تھے۔ اور ان کو شہر کی ترقی اور بہتری کا مطلق خیال نہ تھا، آخر مسیح سے تیس سال قبل مصر اور اسکندریہ پر رومیوں کا قبضہ اور یونانی بادشاہوں کا خاتمہ ہو گیا۔

رومی حکومت کی ابتدا میں اسکندریہ نے پھر رونق پکڑی مگر اب اس کی بادشاہت جاتی رہی اور وہ رومی سلطنت کا ایک صوبہ سمجھا جانے لگا۔ رومیوں نے اسکندریہ کو اپنا غلہ گودام بنا لیا اور جو کچھ پیداوار مصر میں ہوتی، وہ سمیٹ کر اسکندریہ کے راستے اپنے ملک میں لے جاتے۔

شہنشاہ روما کی طرف سے ایک گورنر اسکندریہ میں حکمران

بنا کر بھیجا جاتا اور وہی تمام مصر پر حکومت کرتا۔

۲۱۵ء میں رومی شہنشاہ کارا کلا اسکندریہ میں آیا مصر کے چند باشندوں نے شہنشاہ پر کچھ پھبتیاں اڑائیں جس کی اطلاع بادشاہ کے کانوں تک پہنچ گئی۔ شہنشاہ نے سخت ناراض ہو کر قتل عام کا حکم جاری کر دیا۔ ہزارہا آدمی آناً فاناً بیدریغ قتل کر دیئے گئے اور ہزارہا جانیں بچا کر بھاگ گئے۔ شہر تقریباً ویران اور اُجاڑ ہو گیا۔ مگر کچھ عرصے بعد آبادی بڑھنے لگی اور پھر رونق ہو گئی چنانچہ رومی سلطنت میں اسکندریہ روما کے بعد دوسرے درجے کا شہر سمجھا جاتا تھا۔ ۶۱۶ء میں خسرو پرویز شاہِ ایران نے اسکندریہ پر قبضہ کیا۔ مگر اس سے چند سال بعد رومی قیصر شاہِ ہرقل نے ایرانیوں کو پے در پے شکستیں دے کر مصر اور اسکندریہ پھر اپنی ماتحتی میں لے لیا۔

عمرو بن عاص نے ممفس کے انتظام سے فراغت پا کر اسکندریہ پر چڑھائی کی۔ راستہ واقعی دشوار گزار تھا۔ مگر قبطیوں نے بڑی امداد دی اور جابجا نہروں پر پُل بنا دیئے۔ ایک دو موقعوں پر رومیوں نے کسی قدر مزاحمت بھی کی۔ مگر اہل عرب نے اُن کو ایک ہی حملے میں دُور کر دیا۔ اور صرف بائیس دن تمام مشکلات پر غلب آ کر اسلامی لشکر اسکندریہ کے بالمقابل پہنچ گیا۔ رومی قلعہ بند ہو گئے۔ اور اہل عرب نے اسکندریہ کو محاصرے میں لے لیا،

لیکن اہلِ عرب اسکندریہ کا محاصرہ صرف خشکی ہی کی جانب سے کر سکتے تھے۔ سمندر کی طرف کا راستہ برابر کھلا تھا۔ اور اس رستے سے رومیوں کو ہر قسم کی امداد پہنچ سکتی تھی۔ سرنے کا یعنی برقعہ کے حاکم نے بھی اپنے بھائی کو اہلِ اسکندریہ کی امداد کے لئے چار ہزار سپاہیوں سمیت بھیج دیا۔ اہلِ عرب نے اسکندریہ کا محاصرہ بڑی سختی سے کیا، مگر قلعہ فتح نہ ہُوا۔ رومی اکثر باہر نکل کر حملہ آور ہوتے، مگر جب اہلِ عرب اُن کو مغلوب کرنے کے قریب ہوتے تو وہ پسپا ہو کر پھر قلعے میں جا گھستے۔

اب تک اہلِ عرب کو کسی قلعے کے فتح کرنے میں اتنی دیر نہیں ہُوئی تھی، جتنی اسکندریہ کے محاصرے میں اور کسی معرکے میں اہلِ عرب کے سپاہیوں کا اتنا نقصان نہیں ہُوا تھا، جتنا اسکندریہ میں ہُوا۔ مدینے سے کمک برابر پہنچتی تھی، اہلِ عرب برابر جاں بازی بھی دکھلاتے تھے، مگر قلعہ تسخیر ہونے میں نہیں آتا تھا۔ ایک دن رومی پھر میدان میں نکلے۔ عمرو بن عاص چیدہ سوار لے کر اُن کے مقابل ہُوئے۔ لڑائی بڑے گھمسان کی ہوئی، اہلِ عرب رومیوں کو دباتے ہوئے قلعے کی طرف چلے گئے۔ اور رومیوں کے ہمراہ دروازے میں داخل ہو گئے۔

عمرو بن عاص ہر ایک لڑائی میں سب سے آگے ہوتے تھے اس موقع پر بھی وہ سب سے آگے تھے۔ رومی عربوں کو دروازے

میں دیکھ کر سخت گھبرائے۔ اور اطراف قلعہ سے سپاہیوں کے دَل کے دَل دروازے پر اپنے ہمراہیوں کی پُشت پر آ گئے۔ اہلِ عرب نے ہر چند زور مارا کہ کسی طرح رومیوں کو مار کر ہٹا دیں اور دروازے پر قبضہ کر لیں، مگر رومیوں کی اس قدر صفیں آگے پیچھے کھڑی تھیں کہ پسپا نہ کر سکے۔ اور سخت کشت و خون کے بعد خود عربوں ہی کو پسپا ہونا پڑا۔ اور رومیوں نے دروازہ بند کر لیا۔ مگر عمرو بن عاص مسلمہ بن مخلد اور اپنے غلام وردان سمیت قلعے کے اندر رہ گئے۔ رومی اُن کو گرفتار کر کے اپنے اعلےٰ افسر کے پاس لے گئے۔ رومی افسر نے عرب قیدیوں کو معمولی سپاہی سمجھا۔ کیونکہ عمرو بن عاص نے کوئی جرنیلی وردی پہنی تھی نہ کلغی لگائی تھی، جس سے اُن کی شناخت ہوتی، بلکہ اُن کا لباس بالکل اپنے ہمراہی اور غلام کا سا سادہ تھا۔ اِس لئے رومی افسر نے نہایت حقارت کے لہجے میں عرب قیدیوں کو خطاب کر کے کہا: "کیوں تُم ننگے، بھُوکے اور جاہل عربوں نے ان ممالک میں فتنہ و فساد مچا رکھا ہے؟ کیا تمہارے ریگستان تمہارے لئے کافی نہیں؟"

عمرو بن عاص نے نہایت بے باکانہ طور پر جواب دیا: "ہم فتنہ و فساد مچانے نہیں آئے۔ بلکہ ہم ان اقوام کو ذِلّت سے نکال کر ترقی اور خوش حالی کے زینے پر پہنچانے آئے ہیں۔ ہم اسلام کی برکت اور رحمت ساتھ لائے ہیں۔ جو ہم ہر ایک قوم کے سامنے پیش کرتے

ہیں۔ اگر تم اس لازوال دولت سے محروم رہنا چاہتے ہو، تو ہم تم کو اپنی حفاظت میں لے کر اس ملک کو دارالامان بنا دینگے“۔

رومی افسر یہ دلیرانہ جواب سن کر اپنے ماتحتوں سے رومی زبان میں کہنے لگا: ”یہ شخص عربی لشکر کا سردار معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اس کو قتل کر دیں تاکہ اس کے ہمراہیوں کے دلوں میں ہماری دہشت بیٹھ جائے“۔

عمرو بن عاص کا غلام وردان رومی زبان سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے آقا کو خطرے میں دیکھ کر عمرو بن عاص کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہا: ”بے ادب، گستاخ آدمی! کس نے تجھے اختیار دیا ہے۔ کہ اہل عرب کی طرف سے ایسے کلمات افسروں اور حاکموں کے سامنے کہے؟ چپ رہ، یہ تیرا کام نہیں“۔

عمرو بن عاص خاموش ہو گئے اور مسلمہ نے کہا: ”بیشک ہمیں ہرگز کوئی ایسی بات کہنے کا حق نہیں۔ اگر آپ اپنے چند سردار اہل عرب کے سرداروں کے پاس بھیجیں، تو ممکن ہے۔ کہ وہ سب مل کر ایسی شرائط باہم طے کر لیں، جن پر آئندہ کے لئے ہمارے اور آپ کے مابین صلح ہو جائے، کیونکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ عرب سردار صلح کو بہ نسبت جنگ کے زیادہ پسند کرتے ہیں“۔ رومی افسر، جو عرب کے شدید محاصرے سے تنگ آیا ہوا تھا، اس بات سے بہت خوش ہوا اور کہا: ”اچھا ہم تمہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ تم

جا کر اپنے افسروں سے کہو کہ اگر وہ صلح کرنا چاہیں، تو ہم بالکل تیار ہیں" مسلمہ نے رومی افسر کا شکریہ ادا کیا اور رومی سپاہی اُن کو قلعے کے باہر چھوڑ آئے۔

اُدھر لشکرِ عرب عمرو بن عاص اور مسلمہ کی گرفتاری کی وجہ سے نہایت اندوہ ناک اور غمگین تھا۔ مگر جونہیں اُنہوں نے اُن کو صحیح سالم واپس آتے دیکھا، تو مارے خوشی کے اللہ اکبر کے نعروں سے آسمان سر پہ اُٹھا لیا۔ رومیوں کے کان میں جو یہ خوشی کی آواز پڑی، تو وہ سخت پشیمان ہوئے اور افسوس کرنے لگے۔

اہلِ عرب نے دوسرے دن پھر لڑائی کی تیاری کی، مگر رومی افسر نے ایک قاصد کے ہاتھ عرب سردار کو کہلا بھیجا کہ تم اسکندریہ کا محاصرہ اُٹھا لو، تو ہم اس بات پر راضی ہو جائیں گے۔ کہ سوائے اسکندریہ کے تم تمام مصر پہ قابض رہو۔ مگر عمرو بن عاص نے جواب دیا: "جب تک تم ہماری حفاظت میں آ کر حفاظتی ٹیکس ادا کرنے کا اقرار نہ کرو، تب تک ہم محاصرہ نہیں اُٹھائیں گے"۔ رومی افسر یہ خشک جواب سن کر نہایت رنجیدہ ہوا۔ مگر وہ سوائے اس کے کر ہی کیا سکتا تھا کہ قلعے کی بدستور حفاظت کرتا رہے؟

اس محاصرے کو چودہ ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ حضرت عمرؓ بھی کمک بھیجتے بھیجتے تھک گئے۔ اس عرصے میں اہلِ عرب کے تقریباً بیس ہزار آدمی کام آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص کو ایک سخت خط

لکھا، جس میں یہ عتاب و خطاب تھا کہ تم لوگ شاداب سرزمین میں جا کر عیش پسند اور آرام طلب ہو گئے ہو۔ اور اللہ کی راہ میں جان دینے سے جی چراتے ہو، ورنہ اسکندریہ کے فتح کرنے میں اس قدر دیر نہ ہوتی۔ عمرو بن عاص نے خط اپنے ہمراہیوں کو سنایا۔ سب کے دل دہل گئے اور اُن کی غیرت اور حمیت سخت جوش میں آئی اور سب نے عہد کیا کہ خواہ ہم سب کے سب قتل ہو جائیں۔ مگر کل قلعہ فتح کئے بغیر واپس نہ پھریں گے۔

دوسرے دن زبیرؓ بن عوام، مسلمہ بن مخلد اور مقداد بن عمرو لشکر کے آگے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: "ہم آج اپنی جان پر کھیل جائیں گے اور خلیفۂ ثانی اپنی قوم کی طرف سے ہمیشہ کے لیے سرخرو ہو جائیں گے۔" انہوں نے اپنے ہمراہیوں میں پُرجوش تقریریں کیں اور اُن کو سخت جوش دلایا۔ عمرو بن عاص نے نہایت اضطرار کی حالت میں دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ سب نے اُن کی تقلید کی

دُعا کے بعد لشکرِ اسلام نے اللہ اکبر کا نعرہ مار کر قلعے پر حملہ کر دیا۔ رومیوں نے فصیل پر سے پتھر پھینکنے شروع کئے۔ مگر آج اُن کے پتھروں اور نیزوں کی کس کو پروا تھی؟ لشکرِ اسلام ڈھالیں سر پہ رکھے ہوئے سیلاب کی طرح جا رہا تھا۔ کوئی زخمی ہو کر گرتا، تو دوسرا دیکھتا تک نہ تھا۔ اس طرح لشکرِ اسلام بڑھتا ہوا خندق کے پار ہو گیا۔ وہ دُعا جو حالتِ اضطرار میں عمرو بن عاص

اور اُن کے ہمراہیوں نے مانگی تھی، وہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو گئی اور معلوم نہیں اس دُعا کے ہمراہ اہلِ عرب کے گداز سینوں سے کیا چیز نکل کر گئی تھی کہ اُس نے عالمِ اسباب سے ٹکرا کر اسکندریہ کی فصیل کی بنیاد ہلا دی اور اہلِ عرب فصیل کے قریب پہنچے ہی تھے۔ کہ فصیل کا ایک بُرج خود بخود منہدم ہو گیا۔

رومی گھبرا کر اس شگاف پر آ جمع ہوئے۔ مگر اہلِ عرب کے سردار زبیرؓ، مسلمہؓ، مقدادؓ اور عمرو بن عاص تلواریں کھینچے ہوئے اُن پر ٹوٹ پڑے اور لشکر کے داخل ہونے کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ رومیوں نے زیادہ مقابلہ بے فائدہ سمجھ کر ہتھیار ڈال دیئے۔ اور امان کے خواہاں ہوئے۔ عمرو بن عاص نے ان کو امان دے کر لشکرِ اسلام میں منادی کرا دی۔ کہ اہلِ اسکندریہ کو امان دی گئی ہے۔ اس لئے سب سپاہیوں نے تلواریں نیام کر لیں اور باشندوں کی کسی چیز پر تصرف نہ کیا۔ اس طرح عمرو بن عاص نے سابقہ حملہ آوروں کے خلافِ معمول اہلِ اسکندریہ کی جان و مال کو محفوظ کر دیا، نہ کوئی مندر گرایا، نہ کوئی گرجا مسمار کیا اور نہ کسی متنفس کی کوئی ذرا سی چیز چھیڑی گئی۔ اسکندریہ کی آبادی اہلِ عرب کا یہ سلوک دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئی۔ ان کو ہرگز اُمید نہ تھی کہ اس قدر طویل اور سخت مقابلے کے بعد، جس میں اہلِ عرب کے ہزارہا آدمی کام آئے تھے، اہلِ عرب اسکندریہ کی آبادی سے ایسا نرم سلوک کرینگے،

حالانکہ اگر زیادتی نہ بھی کرتے اور صرف آئینِ جنگ کے مطابق ہی سلوک کرتے، تو بھی اسکندریہ کے رومیوں کا اسباب لوٹ سکتے تھے اور اُن کو اپنا غلام بنا سکتے تھے، مگر عمرو بن عاص نے اپنے لشکر کو غنیمت سے محروم کر کے اہلِ اسکندریہ کے ساتھ نیک سلوک کیا، جس کی نظیر اس سے پہلے کسی قوم کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔

شاہِ ہرقل کو اسکندریہ کے فتح ہونے کا ایسا سخت صدمہ پہنچا۔ کہ وہ سات ہفتے کے بعد مر گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا، جس کا نام قسطنطین تھا، تخت پر بیٹھا۔

عمرو بن عاص نے اس فتح کی اطلاع حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دی اور یہ بھی لکھا کہ میں نے اہلِ اسکندریہ کو امان دے کر اہلِ عرب کو شہر لوٹنے سے باز رکھا ہے اور میرا ارادہ ہے۔ کہ میں اسکندریہ ہی میں قیام رکھوں اور اس شہر کو حسبِ دستور مصر کا دار الخلافہ بنائے رکھوں۔ جب حضرت عمرؓ نے خط پڑھا، تو وہ سجدۂ شکر بجا لائے اور قاصد سے پوچھا:۔ "اگر عمرو بن عاص اسکندریہ میں سکونت رکھیں، تو میرے اور اُن کے درمیان کسی وقت کوئی رکاوٹ تو نہ ہو گی؟" قاصد نے کہا:۔ "اور تو کوئی رکاوٹ نہیں، لیکن جب دریائے نیل میں طغیانی آتی ہے، تو زیریں حصے میں پانی ہی پانی ہو جاتا ہے اور خشکی کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔" چنانچہ حضرت عمرؓ

نے عمرو بن عاص کو لکھ بھیجا: "تم نے بہت اچھا کیا کہ اہلِ عرب کو شہر نہ لوٹنے دیا، گو اُن کو اس بات کا استحقاق حاصل ہو چکا تھا، مگر غنیمت کی بہ نسبت خراج بہتر ہے۔ جو ہمیشہ وصول ہوتا رہتا ہے۔ مَیں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ کہ تم اسکندریہ میں سکونت اختیار کرو۔"

یہ حکم پہنچتے ہی عمرو بن عاص نے اسکندریہ میں تھوڑی سی فوج متعین کر دی اور آپ باقی لشکر کے ہمراہ ممفس میں آ گئے۔ اس میدان میں، جہاں عربی لشکر خیمہ زن تھا۔ ایک مستقل چھاؤنی کی بنا رکھی اور لشکریوں کے لیے مکان بنانے شروع کئے۔ اس شہر کا نام فسطاط (کیمپ) مشہور ہوا۔ عمرو بن عاص نے اپنا قیام تو فسطاط میں رکھا لیکن فوج کے کچھ دستے تجویز کر کے مصر کے چار طرف روانہ کئے۔ تاکہ مختلف حکام کو مطیع کر کے اپنی حفاظت میں لائیں۔ تقریباً حکام نے بخوشی خاطر اہلِ عرب کی اطاعت قبول کر لی۔ صرف دمیاط اور تنیس میں خفیف سی لڑائیاں ہوئیں۔

اس طرح تھوڑے عرصے میں اہلِ عرب کی حکومت جنوب میں حبش تک اور مغرب میں صحرائے لیبیا تک اور شمال مغرب میں برقہ تک پھیل گئی۔ برقہ کا علاقہ مصر کے یونانی بادشاہ بطلیموس نے فتح کر کے مصری سلطنت میں شامل کر رکھا تھا اور اب بھی بدستور وہ علاقہ مصر کی عربی سلطنت سے ملحق ہو گیا۔

اسلامی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص نے اُسی وقت طرابلس الغرب کو بھی فتح کر لیا ، مگر یہ صحیح نہیں ۔ اوّل تو حضرت عمرؓ بلا ضرورت فتوحات کرنے کے سخت مخالف تھے ۔ دوم ، طرابلس مصری حکومت میں اُس وقت شامل نہ تھا ۔ سوم ۔ جب عہدِ عثمانی میں طرابلس پر چڑھائی کی گئی ، تو مؤرخوں نے اس پر چڑھائی کی یہ وجہ نہیں بیان کی کہ طرابلس والے اہلِ عرب کی حکومت سے منحرف ہو گئے تھے ۔ یا وہاں کوئی بغاوت ہوئی تھی ، بلکہ وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے ۔ کہ عبداللہ بن سعد نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں محض مزید فتوحات کرنے اور اپنی نیک نامی حاصل کرنے اور اس دھبے کو دھونے کے لئے جو اُن کے وقت میں اسکندریہ پر رومیوں کا قبضہ ہو جانے کی وجہ سے عائد ہُوا تھا صحرائے لیبیا سے گزر کر طرابلس پر حملہ کیا ۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ عثمانی میں طرابلس پر چڑھائی ایک نیا ملک فتح کرنے کی غرض سے کی گئی تھی اور اس سے پہلے طرابلس اہلِ عرب کے قبضے میں نہیں آیا تھا ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طرابلس کی فتح زبیر بن عوام کے ہاتھ پر ہوئی تھی ، جو عبداللہ کی امداد کے لئے مدینے سے کمک لے کر آئے تھے اور طرابلس کی فتح عہدِ عثمانی کا واقعہ ہے ۔

عمرو بن عاص نے خلیفۂ ثانی کو خط لکھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو مَیں فسطاط میں اپنا نجی مکان بھی بنا لوں ، مگر حضرت عمرؓ نے

اُن کو یہ جواب لکھا کہ تمہارا رائج کا مکان جو مدینے میں ہے، وہ تمہارے لئے کافی ہے، اور مکان کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کا بڑا خیال رہتا تھا کہ اہل عرب اور اُن کے سردار غیر ممالک میں جا کر عیش پسند اور آرام طلب نہ ہو جائیں اور اپنی غرض اور لالچ کے لئے رعایا پر جبر و تشدّد نہ کریں۔ چنانچہ اُنہوں نے سخت حکم دے رکھا تھا۔ کہ اہل عرب اصل مالکوں سے مطلق زمین نہ خریدیں اور گورنر کو بھی اختیار نہ تھا کہ وہ کسی مالک اراضی کو اس کی زمین سے محروم کر سکے۔ رعایا میں سے جو کچھ کسی کے قبضے میں تھا، اُسی کے قبضے میں رکھا گیا۔

رومیوں نے اسکندریہ کے یونانیوں سے مل کر سمندر کے راستے پھر اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ اور عرب سپاہیوں کو، جو عمرؓو بن عاص نے حفاظت کے لئے متعین کر رکھے تھے، بیدریغ قتل کر ڈالا اور اُس نیک اور فیاضانہ سلوک کا معاوضہ اس طرح ادا کیا۔ عمرو بن عاص نے پھر اسکندریہ کا محاصرہ کیا اور قلعے کو پھر بزورِ شمشیر فتح کر لیا۔ اہلِ عرب نے اسکندریہ میں داخل ہو کر یونانیوں کو قتل کرنا شروع کیا، مگر پھر عمرو بن عاص نے رحم کھا کر اپنے سپاہیوں کو روک دیا اور اُن بے ایمان یونانیوں کو امان دے دی۔ جس مقام پر عمرو نے اپنے سپاہیوں کو تلوار نیام کرنے کا حکم دیا، وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی، جس کا نام مسجدِ رحم مشہور ہوا۔ اب عمرؓو بن عاص

نے اسکندریہ میں زیادہ فوج رکھ دی تاکہ رومیوں کو پھر اسکندریہ پر چڑھائی کرنے کا حوصلہ نہ پڑے اور آپ پھر اپنے ہیڈکوارٹر میں آ گئے

اُنہیں دنوں میں قحط پڑ گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص کو لکھا کہ مصر سے غلہ ارسال کریں۔ عمرو بن عاص نے اس کثرت کے ساتھ غلہ ارسال کیا۔ کہ اگر آخری اونٹ مصری سرحد میں تھا تو پہلا عرب کی سرحد میں۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے حضرت عمرؓ سے اجازت لے کر دریائے نیل سے اس نہر کو کھودنا شروع کیا جو شاہانِ مصر نے کھودنی تجویز کی تھی۔ وہ نہر بحیرۂ قلزم تک سال بھر میں کھد کر تیار ہوئی اور غلے سے بھرے ہوئے جہاز مدینے کی بندرگاہ ینبوع تک بآسانی جانے لگے۔ یہ نہر تقریباً ستّر میل تھی۔ اور صرف اسّی سال تک جاری رہی۔ اس کے بعد متروک ہو گئی۔

حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص کو تاکیدی احکام بھیج دیئے تھے کہ مصری رعایا کی حالت کی اچھی طرح نگرانی کرو، عدل و انصاف قائم کرو۔ رعایا کے خفیف قصور معاف کر دیا کرو، کسی پر زیادتی نہ کرو ٹیکس اُن کی حیثیت کے مطابق لگاؤ۔ جس کو بآسانی ادا کر سکیں اور بوجھ نہ سمجھیں، اُن کی مذہبی اور معاشرتی آزادی میں مطلق دخل نہ دو اُن کے عبادت خانوں کی کوئی چیز نہ چھیڑو۔ کھلے بندوں کو اپنے طریقِ عبادت کی پیروی کرنے دو اور ہمیشہ رعایا کی خوش حالی اور

اراضی کی ترقی کو مدِّ نظر رکھو۔

عمرو بن عاص نے ان احکام کی کامل طور پر تعمیل کی، رعایا کی بہتری کی طرف توجہ کی، انصاف کی عدالتیں قائم کیں، زمین کی پیداوار کا اندازہ لگایا اور زمینداروں کے خالص منافع پر ایک مناسب رقم مالیہ قائم کی۔ آب پاشی کے لئے دریائے نیل سے جابجا نہریں جاری کیں، جن پر کم از کم ایک لاکھ مزدور کام کرتے تھے۔ زراعت کو ترقی دی گئی، تجارت کو فروغ حاصل ہوا، رومیوں کے گرانبار ٹیکس رعایا کے سر سے دور کر دیئے، سرکاری آمدنی کا ایک معقول حصہ صرف رعایا کی بہبودی پر خرچ کرنا تجویز کیا۔

عمرو بن عاص نے یہ بھی تجویز کی۔ کہ خاکنائے سویز میں سے ایک نہر نکال کر بحیرۂ قلزم اور روم سے ملا دی جائے، مگر اس تجویز سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتفاق نہ کیا۔ صرف اسی دور اندیشی کے خیال سے کہ اس طرح یورپ کے لوگوں کو عرب پر سمندر کے راستے اچانک حملہ کر دینے کا موقع مل جائے گا۔ اس لئے تجویز ملتوی کر دی گئی۔

عمرو بن عاص نے مصریوں کو نہ صرف مذہبی آزادی بخشی، بلکہ ان کے پادریوں اور کاہنوں کے ساتھ بڑی تعظیم سے پیش آتے اور اکثر مسائل میں ان سے گفتگو کرتے۔ اس طرح مصری اہل عرب سے مانوس ہو گئے۔ اور اس انس کا قدرتی اثر پیدا ہونا شروع

ہوا یعنی مصری جوق در جوق مسلمان ہونے اور اسلام کو اپنے مذہب پر ترجیح دینے لگے۔

عمرو بن عاص نے ایسی دانائی، تدبیر اور فیاضی سے مصر پر حکومت کی کہ یورپین مورخ اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اُن کو اپنے وقت کا نہایت ہی اعلیٰ مدبر قرار دیتے ہیں۔

اسلامی مورخوں نے مصر کے ایک عجیب واقعے کا ذکر کیا ہے کہ اہل مصر، جن کی خوش حالی دریائے نیل کی طغیانی پر منحصر تھی، ایک بُری رسم کے پابند تھے۔ اگر کسی سال دریائے نیل میں طغیانی نہ آتی۔ تو وہ ایک کنواری لڑکی آراستہ و پیراستہ کر کے مذہبی رسوم کے ساتھ دریائے نیل میں ڈال دیتے اور اس طرح ایک انسانی قربانی دریائے نیل کی نذر کر کے طغیانی کے اُمیدوار رہتے۔ اس کارروائی کے بعد سچ مچ دریائے نیل میں طغیانی آجاتی تھی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ عمرو بن عاص کی حکومت کے ایام میں ایک مرتبہ موسم مقررہ پر دریائے نیل میں طغیانی نہ آئی۔ اور لوگ سخت گھبرائے۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کی اطلاع دی گئی۔ کیونکہ عمرو بن عاص مصریوں کو ایک بے گناہ اور معصوم لڑکی کے غرق کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطلاع پاتے ہی ایک خط دریائے نیل کے نام پر لکھ کر عمرو بن عاص کے پاس بھیج دیا اور لکھا کہ اس خط کو دریائے نیل میں ڈال دو۔ اُس خط کا مضمون یہ ہے۔

"یہ خط عبداللہ امیر المومنینؓ کی طرف سے دریائے نیل کے نام ہے۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ بحقیق تو ایک مخلوق ہے اور نفع و نقصان کا مالک نہیں اگر تو اپنی طاقت سے رواں ہوتا ہے، تو تیری مرضی ہے کہ رواں ہو یا نہ ہو اور اس صورت میں ہم کو تجھ سے کچھ سروکار نہیں۔ لیکن اگر تو خدائے برتر، بزرگ و غالب کی طاقت اور قوت سے جاری ہوا کرتا ہے۔ تو جاری ہو جا جیسا کہ جاری ہوا کرتا ہے اور سلامتی ہو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں پر۔"

عمرو بن عاص نے یہ خط مصریوں اور عربوں کے سامنے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے معاً دریائے نیل میں طغیانی آگئی اور لوگ مطمئن ہو گئے۔

عمرو بن عاص کی نسبت ایک اور دلچسپ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ ابتدا میں مصری امرا، جو بڑے نفیس مزاج تھے، اہلِ عرب کو ان کی سادہ طرز کے باعث حقارت سے دیکھتے تھے۔ عمروِ بن عاص نے اس حقارت کو دُور کرنے کے لئے مصری امرا اور عرب سپاہیوں کی ضیافت کا انتظام کیا۔ پہلے دن عرب کی طرز پر سادی غذا تیار کی گئی۔ اہلِ عرب نے نہایت شوق سے کھائی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ دوسرے دن مصری طرز پر لذیذ کھانے تیار کئے گئے۔ وہ بھی نہایت شوق سے کھائے اور منعم حقیقی کا شکر بجا لائے

تیسرے دن اُن کو پریڈ میں جمع کیا اور مصری اُمرا کو مخاطب کر کے کہا: "تم نے میرے ہمراہیوں کو دیکھ لیا۔ کہ وہ کس شوق سے اپنا وطنی کھانا کھاتے ہیں اور تمہارے مصری لذیذ کھانے بھی کس خوشی سے نوش جان کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنی جنگی قابلیت اور ہنر مندی کو بھی برابر قائم رکھتے ہیں۔ اور تمہاری شاداب زمین میں رہ کر آرام طلب نہیں ہو جاتے" اس سے مصریوں کے دل میں اہلِ عرب کی بڑی عظمت بیٹھ گئی۔ اور آئندہ وہ ان سے بڑی عزت سے پیش آنے لگے۔

عمرو بن عاص کی نسبت ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایامِ شباب میں وہ تجارت کی غرض سے اپنے قافلے کے ہمراہ اسکندریہ میں آئے تھے۔ اور ایک جنگل میں ڈیرا لگائے ہوئے تھے کہ ایک پادری نہایت پیاسا اُن کے پاس آیا۔ عمرو بن عاص نے اپنی صراحی سے پانی پلایا۔ وہ پانی پی کر اُسی جگہ ایک درخت کے نیچے سو گیا۔ اُسی وقت ایک سانپ پادری کی طرف آتا دکھائی دیا عمرو بن عاص نے معاً کمان میں تیر جوڑ کر چلایا، جو سانپ کے پھن پر بیٹھا۔ اسی وقت پادری کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کیفیتِ واقعہ دیکھ کر عمرو بن عاص کا شکریہ ادا کیا اور کہا: "اگر تم میرے ساتھ شہر میں چلو، تو کچھ نقدی بھی دوں" عمرو بن عاص اُس کے ہمراہ ہو لئے۔ پادری نے اپنے مکان پر پہنچ کر عمرو بن عاص کو ایک ہزار اشرفی دی

اُس دن اسکندریہ میں ایک بڑا بھاری تہوار تھا اور اسکندریہ کے رؤسا و اُمرا ایک میدان میں زرّیں گیند سے کھیل رہے تھے۔ اُن کا اعتقاد تھا۔ کہ جس شخص کی آستین میں یہ گیند اُچھل کر جا پڑے گی، اُس کو مصر کی حکومت ضرور نصیب ہو گی۔ عمرو بن عاص بھی کھیل دیکھنے کے لئے وہاں ٹھیر گئے۔ اتفاق سے وہ گیند اُچھل کر اُن کی آستین میں آپڑی۔ جس پر تمام حاضرین متعجب ہوئے۔ اور عمرو بن عاص سے اُن کا نام اور مقام پوچھنے لگے۔ عمرو بن عاص نے اپنا نام اور مفصل پتہ بتایا۔ اور وہ یہ معلوم کر کے کہ جس شخص کی آستین میں گیند پڑی، وہ صرف عرب کا ایک وحشی ہے۔ کھل کھلا کر ہنس پڑے یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عمرو بن عاص کو مصر کی حکومت نصیب ہو گئی ۔

۹۔ کتب خانۂ اسکندریہ

اہلِ عرب پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اسکندریہ کو فتح کرنے کے بعد عمرو بن عاص نے خلیفۂ ثانی کے حکم سے اسکندریہ کا بڑا بھاری کتب خانہ، جس میں علوم و فنون کی سات لاکھ کتابیں موجود تھیں، جلادیا۔ اور اس طرح دُنیا کو زمانۂ قدیم کے علوم و فنون سے محروم کر دیا۔

یہ قصّہ عیسائی مؤرخ ابو الفرج نے اپنی تاریخ میں یُوں لکھا ہے۔ کہ جب عمرو بن عاص نے اسکندریہ کو فتح کیا۔ تو پادری جان سے، جو مذہب عیسوی کا بڑا بھاری عالم تھا۔ اکثر فرصت کے وقت گفتگو کیا کرتے تھے۔ اور اس کی گفتگو سے خوش ہوتے تھے جان نے اپنے حال پر عمرو بن عاص کی شفقت دیکھ کر ایک دن عرض کی "یہ شاہی کتب خانہ، جس پر آپ نے ابھی تصرّف نہیں کیا۔ میرے حوالے کر دیا جائے" عمرو بن عاص اس کی عرض قبول کرنے پر مائل تھے۔ مگر انہوں نے کہا "خلیفۂ ثانی کے حکم کے بغیر میں کچھ نہیں کرسکتا" چنانچہ عمرو بن عاص نے خلیفۂ ثانی کو خط لکھا۔ خلیفۂ ثانی نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا: "اگر وہ یونانی کتابیں کلام مجید کے

موافق ہیں۔ تو بلا ضرورت ہیں اور محفوظ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر کلام مجید کے مخالف ہیں، تو فی الفور ضائع کر دینی چاہئیں" عمرو بن عاص نے اس حکم کی فی الفور تعمیل کی۔ اور تمام کتابیں اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کر دیں۔ ان کی تعداد اس قدر تھی کہ چار ہزار حمام چھ ماہ تک اُن کتابوں سے گرم ہوتے رہے۔

یہ قصہ ہے، جس کی بنا پر اہل عرب اور کل اہل اسلام کو غیر مسلم اقوام موردِ الزام ٹھیراتی اور علوم کا دشمن قرار دیتی ہیں جب ابوالفرج کی تاریخ لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئی۔ تو یورپین مصنفوں نے اسی قصے پر بڑا طومار باندھا۔ اور اسلام پر سخت حملے کئے۔ اُنہوں نے یہ ظاہر کیا۔ کہ اسلام جہالت کا مذہب ہے، جس کے پیروؤں کو علوم و فنون کی کوئی قدر نہ تھی۔ جنہوں نے علومِ قدیمہ کا بیش بہا اور قیمتی خزانہ غارت کر دیا۔ اور دُنیا کو روشنی سے ہٹا کر جہالت کے گڑھے میں گرا دیا۔ متعصب عیسائیوں کو جو اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ایک بہانہ مل گیا۔ اور جو کچھ اُن کا جی چاہا، اُنہوں نے اسلام کی مخالفت میں بے تحاشا لکھ دیا۔ وہ اسلام کی تعلیم کو پرکھنے کی مطلق ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک یہ واقعہ ہی اسلام کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کے لئے کافی تھا۔ انکی دیکھا دیکھی دیگر غیر مسلم اقوام نے بھی اس واقعے کو پیشِ نظر رکھ کر اہلِ اسلام کو بہت کچھ سخت سُست کہا اور لطف یہ ہے کہ اس سب و شتم کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

افسوس کسی نے اس بات کا خیال نہیں کیا کہ کتابیں جلانے کا حکم اسلام کی اسپرٹ کے موافق تھا یا مخالف۔ اگر یہ حکم اسلام کی اسپرٹ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم کے خلاف تھا۔ تو خلیفۂ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام کے اس قدر پابند تھے۔ کس طرح ایسا حکم دے سکتے تھے؟

اسلام کی بنا علم یعنی لکھنے پڑھنے پر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر جو وحی سب سے پہلے نازل کی، وہ یہ تھی:-

"اپنے اس پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا۔ (جس نے) آدمی کو لہو کی پھٹکی سے پیدا کیا۔
پڑھو اور (خدا پر بھروسا رکھو کہ) تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے (آدمی کو) قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ (اس نے وحی کے ذریعے سے بھی) انسان کو وہ باتیں سکھائیں، جو اس کو معلوم نہ تھیں۔"

اللہ تعالیٰ نے خود علم لدُنّی اور کتابی یا تحریری علم کی فضیلت بیان کی ہے اور اس کو اپنے بندوں پر اپنے فضل وکرم کی علامت ظاہر کیا ہے۔ علامہ زمخشری نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ باتیں تعلیم کیں، جو وہ نہیں جانتا تھا اور یہ اس کے کرم عظیم اور فضل عمیم کی تصدیق ہے جو اس نے اپنے بندوں کو نامعلوم باتیں سکھا کر ان پر کیا۔ وہ ان کو جہالت اور ظلمت

سے نکال کر علم کی روشنی میں لایا۔ اور ان کو تحریری علم کی بیش قیمت برکات و فیوض سے آگاہ کیا، کیونکہ اس تحریری علم میں اس قدر فوائد مذکور ہیں۔ کہ ان کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ بغیر علمِ تحریر کے علوم کو سمجھنا مشکل ہے، کیونکہ وہ انسان کے احاطۂ قدرت میں نہیں آسکتے۔ اسلامی نوشتے بھی تحریر کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اگر علمِ تحریر دنیا میں نہ ہوتا، تو امورِ دین و دنیا میں بڑا خلل عائد ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک کو قرآن یعنی پڑھے ہوئے اقوال اور کتاب یعنی لکھے ہوئے اقوال سے موسوم کیا ہے۔ اور مومنوں کے دلوں پر کتاب، قلم اور تحریر کی فضیلت و عظمت کالنقشِ فی الحجر کر دی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے علم کے متعلق اپنے صحابہؓ اور پیرووں کو یہ تلقین کی ہے:۔

علم حاصل کرو، کیونکہ جو شخص لِلّٰہ علم حاصل کرتا ہے، اس کے لئے تحصیلِ علم ایک عملِ صالح ہے، جو شخص زبان سے علم پڑھتا ہے، وہ گویا اللہ تعالیٰ کی حمد ہوتی ہے، جو شخص تحصیلِ علم میں کوشش کرتا ہے وہ گویا خدا کی عبادت کرتا ہے جو شخص علم حاصل کر کے دوسروں کو سکھاتا ہے وہ گویا خیرات تقسیم کرتا ہے علم انسان کو حلال و حرام میں تمیز سکھاتا ہے۔ اور بہشت کی راہ اُس کیلئے روشن کرتا

ہے۔ علم بیابان میں ہمارا معاون، تنہائی میں ہمارا رفیق
ہجرت میں ہمارا دوست ہے، خوشی کی طرف ہمارا رہنما
مصیبت میں ہمارا سہارا، حلقۂ احباب میں ہمارا زیور
اور دشمنوں کے مقابل ہمارے لئے زرہ ہے۔ علم کی
بدولت خدا کا بندہ ترقی کی معراج اور اعلیٰ مرتبے پر پہنچتا
شاہانِ دُنیا کا ہم نشین ہوتا اور آخرت میں کامل ہمدرد
حاصل کرتا ہے۔ ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم حاصل
کرنا فرض ہے۔ عالم کی دوات کی سیاہی شہید کے خون
سے بھی زیادہ مقدس ہے۔ جو شخص تلاشِ علم میں سفر کرتا
ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو بہشت بریں کا راستہ دکھا دیتا ہے
مَیں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اُس کا دروازہ۔ ایک ساعت
کے لئے علوم وفنون کا وعظ سُننا ہزار شہیدوں کے جنازے
پر، بلکہ ہزار رات، نماز پڑھنے سے افضل ہے جو طالب علم
علم کی تلاش میں نکلتا ہے، خدا اُس کو بہشت بریں میں
اعلیٰ مرتبہ بخشے گا، اُس کا ایک ایک قدم مبارک ہوگا اور
ہر سبق کا اجر ملے گا۔ طالب علم کو آسمان کے فرشتے مبارک
باد اور خوش آمدید کہیں گے۔ عالموں کا کلام سُننا اور
دوسروں کو علم کا سبق دینا مذہبی ریاضت سے بہتر ہے
بلکہ ایک سو غلام آزاد کرنے سے بھی افضل ہے جو شخص

عالم اور عالم کی قدر کرتا ہے، خدا اس جہان میں اُس کی
عزت افزائی کرے گا۔ جو شخص عالم کی عزت کرتا ہے،
وہ میری عزت کرتا ہے۔

جب کلامِ الٰہی میں علم اور قلم کی اس قدر فضیلت بیان کی گئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں علم اور قلم کا اس قدر بلند مرتبہ رکھا گیا ہے۔ تو کس طرح یہ امر قیاس میں آسکتا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ جو کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق تھے۔ اور نہایت خفیف امور میں بھی اتباعِ سُنت کو مقدم رکھتے تھے۔ وہ علوم و فنون کی کتابوں کو جلانے کا حکم دیتے؟ کلامِ الٰہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے صحابہؓ ایسے متاثر تھے کہ اُن کے رگ و ریشہ میں تحصیلِ علم اور اشاعتِ علم کا ذوق شوق بھر گیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ مدینۂ منورہ میں علم عروض، علم قواعد، علم تاریخ اور علم ریاضی پر لکچر دیا کرتے تھے۔ اور اُن کے بعد اہلِ عرب نے تحصیلِ علوم میں اس قدر شوق ظاہر کیا۔ کہ جس زبان میں اُن کو کوئی کتاب کسی علم کے متعلق ملی، اُس کا فی الفور عربی زبان میں ترجمہ کر لیا۔ اور پھر علوم و فنون پر وہ شاندار عمارت کھڑی کی، جس کے لئے یورپ بھی اہلِ عرب کا رہینِ منت و احسان ہے۔

مندرجۂ بالا دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کتب خانۂ

اسکندریہ کے جلانے کا حکم اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ کے بالکل خلاف تھا اور ایسا حکم حضرت عمرؓ کی طرف سے کبھی جاری نہیں ہو سکتا تھا۔
اب ہم اس بارے میں تاریخی شہادت پیش کرتے ہیں آرتھر گلمن نے اپنی کتاب "سارا سنز" (صحرا نشینان) کے صفحہ ۲۵۴ میں درج کیا ہے:۔

بہت سے مصنفوں نے ابو الفرج کی پیروی کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ اسکندریہ کی فتح کے بعد وہاں کا عظیم کتب خانہ تباہ کیا گیا اور کتابیں چار ہزار حماموں میں جلا دی گئیں کتابوں کی تعداد اس قدر تھی کہ چھ ماہ میں بمشکل ختم ہوئیں، لیکن اب اس کہانی کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ ڈین ملمن اس پر اصرار کرتا ہے۔

بیڈلٹ کی جلد اوّل صفحہ ۴۳۹ میں لکھا ہے:۔
یہ کہا جاتا ہے کہ کتابیں حمام گرم کرنے میں استعمال کی گئی تھیں حالانکہ ان دنوں میں پبلک حمام موجود ہی نہ تھے۔ پبلک حماموں کا رواج سالہا سال بعد شروع ہوا۔ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے:۔
اس علمی جہاز کی ناقابلِ تلافی غرقابی کے واقعہ اور اس کے نتائج کا میں صاف انکار کرتا ہوں جس کی بنا صرف ایک مؤرخ ابو الفرج کی تنہا رائے پر ہے۔ حالانکہ یوٹی چیس اور

الکین دونوں اس واقعے کے متعلق ساکت ہیں۔
مؤرخین کی تاریخ عالم ، جلد ۸ ، صفحہ ۳ ۱۶ میں ابوالفرج کا واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے :-

ہم اپنی طرف سے اس واقعے اور اس کے نتائج کا صاف انکار کرتے ہیں۔ واقعہ بڑا تعجب خیز ہے۔ خود مؤرخ ابو الفرج نے بھی لکھا ہے۔ کہ پڑھو اور تعجب کرو۔ ایک اجنبی کی رپورٹ جس نے چھ سو سال بعد میڈیا کے حدود میں بیٹھ کر لکھی ہے۔ دو مؤرخوں کے سکوت سے بالکل باطل ہو جاتی ہے۔ جو اس سے بہت پہلے گزرے ہیں۔ وہ دونوں عیسائی اور مصر ہی کے باشندے تھے۔ حالانکہ ان میں سے ایک یعنی پادری یوٹیچیس نے جو سب سے پہلے گذرا ہے فتح اسکندریہ کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے وہ دونوں اس کا اشارہ تک نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کا یہ سخت حکم اہل اسلام کے محکم شرعی احکام کے بالکل خلاف ہے۔ شرعی احکام میں صاف لکھا ہے۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتابیں ، جو آئین جنگ کی رو سے مسلمانوں کے قبضے میں آئیں ، وہ ہرگز نہ جلائی جائیں اور دیگر دنیاوی علوم یعنی تاریخ ، نظم ، طبابت فلسفے کی کتابیں جائز طور پر اہل اسلام کے استعمال میں

لائی جا سکتی ہیں۔

پھر اس کے متعلق ذیلی حاشیے میں یہ لکھا ہے:-

یہ کتب خانہ کچھ تو جولیس سیزر کے زمانے میں جل گیا۔ اور کچھ اس کے بعد۔ غرض، جب عمرو بن عاص نے اسکندریہ کو فتح کیا۔ تو اس سے دو سو پچاس سال پہلے اس کتب خانے کا نام و نشان تک باقی نہ تھا اور کسی تاریخ میں اس بات کی شہادت نہیں پائی جاتی کہ اس عرصے میں اس کی جگہ کسی بادشاہ یا پادری نے کوئی اور کتب خانہ قائم کر دیا تھا۔ ابوالفرج کی کہانی اس قدر زور شور کے ساتھ ہرگز عام طور پر مشہور نہ کی جاتی، اگر مشہور کرنے والوں کی اس میں یہ غرض نہ ہوتی کہ رومیوں کے فاتحین پر جہالت و وحشت کا اور دنیا کو تاریکی میں ڈالنے کا الزام لگائیں۔ لیکن اس پر بھی ملمن ضد کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ مسلمان مؤرخ یعنی عبداللطیف مقریزی اور حاجی خلیفہ ابوالفرج کی کہانی کی تصدیق کرتے ہیں۔

پروفیسر فان روڈلف کریل نے اورنٹیل کانفرنس کے اجلاس چہارم منعقدہ ستمبر ۱۸۸۰ء میں کتب خانہ اسکندریہ پر ایک مضمون پڑھا تھا جس میں اس نے بیان کیا:-

ابوالفرج سریانی نصرانی تھا۔ وہ تیرھویں صدی میں رتح

اسکندریہ سے چھ سو سال بعد پیدا ہؤا۔ پرانی تاریخیں مثلاً بلاذری وغیرہ میں اس واقعے کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ باقی فتوحات کا مفصل بیان ہے۔ اہل اسلام مفتوح قوم کی بڑی رعایت کرتے تھے اور کتب خانے کا جلانا اسلام کی فیاضانہ روش کے خلاف تھا۔ عبداللطیف پانچ سو سال بعد پیدا ہوا۔ وہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے۔ کہ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ یہ عمارت وہی مقام ہے جہاں ارسطو اور اس کے تلامذہ درس دیا کرتے تھے، جس کو اسکندر نے شہر کی بنا ڈالنے کے وقت تعمیر کیا تھا۔ اور اس عمارت میں وہ کتب خانہ تھا جس کو عمرو بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے جلا دیا۔

ابوالفرج ایک یہودی طبیب ہارون نامی کا بیٹا تھا۔ وہ شہر میلن میں ۱۲۲۶ء میں پیدا ہؤا۔ اس کا باپ عیسائی ہوگیا تھا۔ اس نے عیسوی تعلیم پائی تھی۔ نصرانیوں کو خوش کرنے کے لئے وہ ہلاکو شاہ کے دربار میں جایا کرتا تھا۔ اس نے ایک تاریخ سریانی زبان میں لکھی۔ اس میں اس واقعے کا مطلق ذکر نہیں کیا۔ اس کے بعد اس نے عربی زبان میں تاریخ لکھی، اس میں اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔ اور مبالغہ اس قدر کیا ہے کہ ان کتابوں سے

چار ہزار حمام چھ ماہ تک گرم ہوتے رہے۔

ایسا ہی ایک واقعہ قطب الدین نے لکھا ہے کہ جب ہلاکو شاہ نے بغداد کو فتح کیا، تو بغداد کے کتب خانے کی کتابیں دریائے دجلہ میں ڈال دیں۔ جن کی تعداد اس قدر تھی۔ کہ اُن سے دجلے میں ایک پُل بن گیا۔ اور سوار اور پیادے اوپر سے گزرا کرتے تھے اور اُن کی سیاہی سے دجلے کا پانی سیاہ ہو گیا۔

کُتب خانۂ اسکندریہ کا حوالہ عمرو بن عاص کے خط میں جو اُنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا، مطلق نہیں اور حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص کے جواب میں جو خط لکھا تھا۔ اس میں کتب خانہ جلانے کا حکم نہیں۔ اُس کتب خانے کی صحیح تاریخ یہ ہے کہ مسیح سے تین سو برس پہلے بادشاہ بطلیموس نے اس کی بنا ڈالی تھی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نے اس میں اور اضافہ کیا۔ اس بات کی کوئی سند نہیں۔ کہ اس کتب خانے میں سات لاکھ کتابیں جمع ہو گئی تھیں۔ اس کتب خانے سے ملحقہ مدرسہ صرف ایک صدی تک رہا۔ مسیحؑ سے دو سو سال پہلے یورجیتس ثانی نے تمام پروفیسروں اور طلبا کو اس مدرسے سے نکال دیا اور کتب خانے میں زوال آنا شروع ہو گیا۔

سنہ ۴۷ء میں جولیس سیزر کے زمانے میں، جب کہ وہ خود اسکندریہ میں موجود تھا۔ اس کتب خانے میں خود بخود آگ لگ گئی اور اس کا بہت سا حصہ جل کر راکھ ہو گیا۔ جو کتابیں بچ رہی تھیں، وہ قسطنطنیہ کے کتب خانے میں داخل کر دی گئیں۔

غرض، جب عربوں نے اسکندریہ کو فتح کیا ہے۔ تو اُس وقت اُس کتب خانے کا نام و نشان تک باقی نہ تھا میری رائے میں اہلِ اسلام پر اسکندریہ کا کتب خانہ جلانے کا الزام لگانا بالکل جھوٹ اور سراسر افترا ہے اسلام کا دوسرا نام علم و عرفان ہے۔ اسلام تو آیا ہی اِس لئے تھا کہ دُنیا کو جہالت و ظلمت سے نکال کر روشنی اور نور میں لائے اور اسلام نے ایسا کر دکھایا۔ جو لوگ اسلام لائے۔ وہ منوّر ہو گئے۔ ان کے سینے کھل گئے۔ علومِ ظاہر و باطن کے خزانے انہیں حاصل ہوئے۔ اور اُنھوں نے دُنیا کو دینی و دنیوی دولت سے مالا مال کر دیا۔ ان کا پہلا مرکزِ علوم و فنون مدینہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا اور جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے بڑی رونق دی۔ عراقِ عرب، شام اور مصر سے طالبِ علم

اکر فیض اٹھاتے تھے۔ پھر اس کی تقلید میں بغداد (عراق عرب)، قاہرہ (مصر)، قرطبہ (اسپین) میں مشہور دارالعلوم قائم ہوئے۔ ایسی علم کی عاشق قوم پر، جس نے بنی آدم پر گرانبار احسان کیا، یہ جھوٹا الزام لگانا کہ انہوں نے علوم قدیمہ کی کتابیں جلادیں۔ بڑا ظلم ہے۔ اہل عرب کے وقت تو اس کتب خانے کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اور کتب خانہ عیسائی بادشاہوں کے ہاتھ سے تباہ ہو چکا تھا۔ اگر وہ کتب خانہ اہل عرب کے ہاتھ آتا۔ تو معلوم نہیں۔ کہ اس پر کیا کیا نقش و نگار چڑھاتے۔ اور کس قدر مزین و مرصع کرکے دنیا کے سامنے پیش کرتے۔

۱۰۔ فتح عراق

ناظرین کی سہولت کی خاطر فتح شام و مصر کا مسلسل تذکرہ کیا گیا ہے۔ اب فتح عراق و ایران کا سلسلہ ابتدائے خلافت حضرت ابوبکر صدیق سے شروع کیا جاتا ہے۔

اہل یمن جب عراق میں آباد ہوئے۔ تو عراق کی شاداب اور زرخیز زمین میں کاشتکاری میں مصروف ہو گئے۔ اور کچھ ریگستان عرب کی سرحد پر آ کر بدستور خانہ بدوش طرز پر زندگی بسر کرنے لگے۔ اُنھوں نے اپنی صحرائی عادات میں کسی قسم کا تغیر نہ ہونے دیا اور قبیلے قبیلے میں چراگاہوں کی وجہ سے برابر لڑائی جاری رہی۔ جو صورت شام کے جنوب میں غسانی عربوں کی تھی، بجنسہٖ وہی صورت عراقی عربوں کی بھی تھی۔ اُن کی محبت و عداوت کے تعلقات اہل عرب کے ساتھ برابر چلے آتے تھے، خصوصاً بنی لخم اور بنی کندہ کی باہمی عداوت کی وجہ سے اہل عرب اور اہل عراق میں کشت و خون کے معرکے ہوتے رہتے تھے۔ اور عراقی عرب اہل ایران کے زیر سایہ ہونے کی وجہ سے سرحدی اہل عرب پر ہمیشہ یورش کرتے رہتے تھے اور سرحد عرب و عراق پر ہمیشہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکتی رہتی تھی۔

جب خلیفۂ اوّل نے عرب میں امن قائم کرنے کے لئے مختلف سمتوں میں لشکر کے دستے تجویز کر کے روانہ کئے۔ تو مثنیٰ بن حارث شیبانی نے، جو عراق کے رہنے والے تھے۔ اور مسلمان ہو چکے تھے، خلیفۂ اوّل کی اجازت سے عراقِ عرب کی سرحد پر امن قائم کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کر کے بحرین میں سرحدی فتنے کو مٹانے کی کوشش شروع کی۔ مگر مثنیٰ کی اس لشکر کشی سے سرحدی اور عراقی عربوں میں اور زیادہ اشتعال پیدا ہوا اور مثنیٰ نے ناچار ہو کر خلیفہ کی خدمت میں فوجی امداد کی درخواست کی۔ خلیفۂ اوّل نے خالد بن ولید کو عراقِ عرب کی سرحد پر امن قائم کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ مگر مشیّتِ ایزدی سے عراق میں بھی وہی صورت پیش آئی۔ جو شام میں آئی تھی۔ یعنی جس طرح شام کی سرحد پر امن قائم کرتے ہوئے اہلِ عرب کو رومی سلطنت سے مقابلہ پیش آیا، اسی طرح عراق کی سرحد پر امن قائم کرتے ہوئے اہلِ عرب کو شاہِ ایران کی طاقتور سلطنت سے مقابلہ کرنا پڑا۔ مگر خلیفۂ اوّل کے ایمان اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسے کی نظیر دُنیا بھر میں نہیں پائی جاتی۔ اُنہوں نے ایک ہی وقت میں نہایت قلیل سامان اور قلیل تعداد کے ساتھ دُنیا کی دو زبردست اور طاقتور سلطنتوں سے اس پختہ اعتقاد کے ساتھ مقابلہ شروع کر دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو فتح و نصرت دیگا۔ اور رومیوں اور ایرانیوں کو ذلت و خواری میں مبتلا کر دیگا

دُنیا کی تاریخیں چھان مارو، یہ ایمان، یہ بھروسا اور یہ اعتقاد کہیں نہ پاؤ گے۔ اسلام میں بھی یہ خصوصیت اور فضیلت صرف صدیقِ اکبرؓ ہی کو نصیب ہوئی۔ اور اُنہیں کا حصّہ تھا کہ قدرتِ الٰہی کا ایسا نادر الظہور کرشمہ دُنیا کے روبرو کامیابی کے ساتھ پیش کر دیا۔ سلطنتِ ایران کی تاریخ کے ملاحظے سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ظہورِ اسلام کے وقت دُنیا بھر میں صرف یہی دو سلطنتیں تھیں۔ جو ایک دوسرے کا جواب تھیں۔ اور کوئی طاقت اُن سے مقابلہ نہیں کر سکتی تھی مغرب میں رومیوں کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اور مشرق میں ایرانیوں کا طوطی بول رہا تھا۔ گویا مغرب اور مشرق کو اِن دونوں نے باہم تقسیم کر رکھا تھا۔ اگر رومیوں نے کہیں مُنہ کی کھائی۔ تو صرف ایرانیوں سے اور اگر ایرانیوں کا کسی نے گلا دبایا۔ تو صرف رومیوں نے۔ اور کوئی قوم اُن کے مقابلے پر ٹھہر نہیں سکتی تھی۔ اِدھر رومیوں کا قبضہ اگر شام، فلسطین، ایشیائے کوچک اور مصر پر تھا۔ تو اُدھر ایرانیوں کا قبضہ عراقِ عربی، جزیرہ، کوہ قاف، ماژندران، افغانستان اور ترکستان پر تھا۔ ایسی دو زبردست طاقتیں ایک ہی وقت میں عرب کے مقابلے پر آئیں۔ اِن دونوں کے سامنے عرب کی ہستی ہی کیا تھی۔ اور ان کے مقابلے میں اہلِ عرب تھے ہی کس شمار قطار میں؟ دُنیا کی بڑی قوموں میں اہلِ عرب کی کوئی جگہ نہ تھی۔ تمام قومیں اُنہیں حقیر سمجھتی تھیں اور وحشی اور جنگلی خیال کرتی تھیں۔ مگر اللہ تعالےٰ

نے اس کس مپرس قوم پر رحم کی نظر کی۔ اور اس جلتے ریگستان پر ابر رحمت برسایا، جس نے اس سرزمین کی کایا ہی پلٹ دی۔ اور اس میں ایک ہدایت کا چشمہ جاری ہو گیا۔ جس کے فیض سے اُن کی وحشت اور جہالت دُور ہو گئی۔ وہ اللہ کی ایک برگزیدہ قوم بن گئے اور دُنیا سے ظلم و ستم، فتنہ و فساد دور کر کے جہان میں راستی، عدل اور امن و امان قائم کرنے والے ہوئے۔

یہ امر بھی ناظرین کے غور کے قابل ہے۔ کہ عراقِ عربی، جزیرہ، شام، فلسطین اور مصر کی رعایا خود مختار اور آزاد نہ تھی، بلکہ ان ممالک کی رعایا مفتوح اقوام تھیں۔ جن پر ایرانی اور رومی حکمران تھے۔ ایران اور مصر کی تاریخ کے ملاحظے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ شاداب اور سرسبز ممالک، جنھیں قدرتِ خداوندی نے دجلہ، فرات اور نیل جیسے فیض رساں دریا بخش کر زمین پر بہشت بنا رکھا تھا آئے دن بیرونی حملہ آوروں کے شکار بنے ہوئے تھے۔ اور وہاں کی رعایا متواتر جنگ و جدل کی وجہ سے تباہ اور پریشان ہو رہی تھی۔ ہر ایک حملہ آور قوم نے ان ممالک کو نبرد آزمائی کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا۔ جو قوم اُبھری۔ اُس نے پہلے ان ممالک کا لالچ کیا۔ ان ممالک کی پیداوار اصل مالکوں کے ہاتھ سے چھن کر بیرونی بھیڑیوں کے پیٹ میں چلی جاتی تھی اور اصلی باشندے قدرت کے دئے ہوئے عطیے سے محروم رہ جاتے تھے۔ ان بے چاروں کی حالت غلاموں سے بدتر

ہو رہی تھی۔ اُن کی پیداوار، اُن کی جائداد سب کی سب بیرونی حکمرانوں کے لئے ہوتی تھی۔ جب وُہ چاہتے، اُن کو لُوٹ کھسوٹ لیتے تھے۔ کوئی اُن کا پُرسانِ حال نہ ہوتا تھا، کوئی اُن پر رحم اور ترس نہ کھاتا تھا۔ اُن کی عزّت و آبرو کا کوئی پاس نہیں کیا جاتا تھا۔ اُن کی جان اور مال ہر وقت خطرے میں رہتے۔ اور کوئی قانون نہ تھا، جو اُن کو حکمرانوں کی دستبُرد سے محفوظ رکھ سکتا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اِن پریشان حال لوگوں کی فریاد سُنی اور اُس نے ایک ایسی قوم چُن کر تیار کی۔ جس نے حکمِ الٰہی سے ظلم وستم، ناراستی و تشدد، جور وجفا، فتنہ و فساد، حق تلفی و مردم آزاری کے خلاف تلوار اُٹھائی۔ یہ ایک بے سروسامان اور کمزور قوم تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل مضبوط کر دیئے۔ اور ہیبتِ الٰہی اُن کے شامل کر کے دُنیا کے روبرو ایک زندہ اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ پیش کیا۔ یہی وُہ خدا کی برگزیدہ اور اور زمین پر خدا کی مرضی پھیلانے والی قوم تھی، جو صدیقِ اکبرؓ خلیفۂ اوّل کے حکم سے ریگستانِ عرب سے نکل کر رومیوں کی ٹڈی دل فوج کو شکست پر شکست دیتی ہوئی شام اور فلسطین سے گزر کر مغرب میں مصر تک پہنچی اور یہی وہ قوم تھی۔ جس نے اُسی وقت عرب کے شمال مشرقی گوشے سے نکل کر عراق کی سرحد میں رکھا۔ اب ناظرین ذرا ٹھنڈے دل سے پڑھیں کہ یہ قوم مشرق کی طرف اس تھوڑے سے عرصے میں کہاں تک پہنچی اور اُس نے خدا کی مظلوم مخلوق کو

ظالموں کے پنجے سے چھڑا کر کیا نفع اور فائدہ بخشا اور ان غلام اقوام کو کہاں تک آزادی و خوش حالی کی معراج تک پہنچایا۔

جب خلیفۂ اوّل نے خالدؓ بن ولید کو بحرین کی طرف مُثنّیٰ بن حارث کی امداد کے لئے بھیجا، تو آپ نے اس کے بعد عیاض بن غنم کو ایک مختصر سا لشکر دے کر دومۃ الجندل کی طرف روانہ کیا، جو نجد کے شمال میں عرب کے صحرائے اعظم کے سرے پر ہے۔ مقصود یہ تھا۔ کہ عیاض بن غنم دومۃ الجندل کے گرد و نواح کی اقوام کو مطیع کر کے خالدؓ بن ولید کے لشکر کے ساتھ جا ملیں۔ مگر عیاض کو دومۃ الجندل میں ایسی مُشکل پیش آئی۔ کہ وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ خالدؓ بن ولید بلا روک ٹوک یمامہ کے راستے بحرین میں پہنچ گئے مثنٰے بن حارث بھی اپنے لشکر سمیت خالدؓ کے پاس پہنچ گئے۔ خالدؓ کے ہمراہ صرف پندرہ سو جاں باز عرب آئے تھے۔ مگر مُثنّےٰ کا لشکر ملا کر خالدؓ کی ماتحتی میں تقریباً دس ہزار آدمی ہو گئے۔ خالدؓ نے بحرین اور حجر کی اقوام کو، جو زیادہ تر بنی بکر، بنی ربیعہ اور بنی نصر قبیلوں کی تھیں بہت جلد اپنا مطیع کر لیا اور اس طرح خاص عرب کی شمال مشرقی حد میں امن قائم ہو گیا۔ مگر مثنّیٰ نے خالد کو یہ صلاح دی۔ کہ جب تک عراقی عربوں پر اپنا سکہ نہ بٹھایا جائے گا۔ تب تک سرحد پر امن قائم رکھنا نہایت مُشکل ہے، کیونکہ عراق کی سرحدی قومیں ہمیشہ عرب کی حد پر چھاپہ مارتی اور ہر وقت امن عامہ میں خلل ڈالتی

رہیں گی۔ اس لئے خالد بن ولید نے عراقی عربوں کی سرکوبی کا ارادہ کیا
حجر عرب کا شمال مشرقی گوشہ ہے۔ اور عراقِ عرب کے زیریں
حصے یعنی ڈلٹا سے پیوست ہے۔ مقام حفیر عرب اور عراق کی
درمیانی حد تھا۔ یعنی وہاں تک عراقِ عرب کا علاقہ شمار کیا جاتا تھا جو
شاہان ایران کے ماتحت تھا۔ عراق کے ڈلٹا کا حاکم اس وقت شاہِ
ایران کی طرف سے ہرمز تھا۔ جو بڑا مشہور اور نامی پہلوان تھا۔
وہ شاہِ ایران کا وائسرائے تھا اور اپنے عہدے کے لحاظ سے
دستور کے مطابق چھوٹا تاج پہنتا تھا۔ کیونکہ ایران کے بڑے بڑے
صوبوں کے حاکم چھوٹے بادشاہ سمجھے جاتے تھے اور شاہِ ایران اس
لحاظ سے شہنشاہ کہلاتا تھا۔

خالدؓ نے حجر سے روانہ ہونے سے پہلے ہرمز کو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے حکم اور خلیفۂ اول کی وصیت کے بموجب یہ پیغام بھیجا
تمہاری دین و دُنیا کی بھلائی اور بہتری کی خاطر ہم تم کو
دعوتِ اسلام دیتے ہیں۔ اگر [illegible] اسلام قبول کر کے [illegible]
الٰہی میں شامل ہو جاؤ گے تو تمہارا [illegible]
جائے گا۔ تم اسلام کی برکات سے مستفیض ہو کر [illegible]
بھائی اور یگانے بن جاؤ گے۔ ہم ایک [illegible]
ہمدردی سے پیش آیا کریں گے۔ تم دین و دُنیا میں سرخرو
رہو گے۔ اور عاقبت سنور جائے گی۔ اگر تم اسلام کی

برکات سے فیض حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ تو ہماری حفاظت میں آجاؤ۔ اس طرح عرب و عراق کے حدود میں ہمیشہ کے لئے امن قائم ہو جائے گا۔ اور ایک قوم دوسری قوم کے امن میں خلل نہیں ڈال سکے گی۔ ہم تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں گے اور جو عہد کرلیں گے۔ اُس کے پابند رہیں گے۔ ہمارے ہاتھ سے تم کو کبھی اذیت نہ پہنچیگی۔ ہم کبھی وعدہ شکنی نہیں کریں گے۔ اور تمہاری مذہبی اور معاشری آزادی میں ہرگز مداخلت نہ کرینگے، بلکہ ہر وقت تمہارے جان و مال کی حفاظت کے لئے تیار رہیں گے۔ اگر تمہاری سمجھ میں ان دونوں باتوں کی کچھ بھی وقعت نہ ہو اور امن و صلح کے فیوض سے تم محروم رہنا چاہتے ہو۔ تو پھر ہم تم سے لڑائی پر مستعد ہیں۔ اور اس آئے دن کی سرحدی شورشوں کو یکدم مٹانے پر تیار ہیں۔ اللہ تعالےٰ میدان جنگ میں ہمارے درمیان فیصلہ کردیگا۔ یقین جانو کہ میرے ہمراہ ایسے لوگ ہیں، جو موت کو اتنا ہی یاد کرتے ہیں۔ جتنا کہ تم اپنی زندگی کو۔"

جب ہرمز نے یہ پیغام سُنا، تو وہ تمسخر کرنے لگا۔ اس کی نگاہ میں عرب اور اہلِ عرب کی حقیقت ہی کیا تھی؟ وہ اُن کو ایک ضعیف اور کمزور قوم سمجھتا تھا۔ اُس کے خیال میں یہی بات جمی تھی کہ اہلِ عرب

کے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے۔ عرب کیا اور ایرانی سلطنت کا مقابلہ کیا! جس سلطنت نے روم جیسی زبردست طاقت کو کئی بار نیچا دکھایا اس کے مقابلے پر اہل عرب کب ٹھہر سکتے ہیں؛ ایک ننگی بھوکی بے سروسامان قوم، جن کو اپنا ملک پیٹ بھر کر اناج بھی نہیں دیتا۔ وہ ایران کی باسامان اور پُرشوکت سلطنت کا کیا مقابلہ کر سکیں گے؟ اُس نے یہی سمجھا کہ اہل عرب کو اُن کی موت اس طرف لے آئی ہے۔ ورنہ وہ اُونٹنی کے دودھ پر گزارہ کرنے والے، جَو اور کھجوریں کھانے والے ایک دولت مند اور باحشمت سلطنت سے جنگ کر سکتے ہیں؟

ہرمز نے خالد کے قاصد کو بہت سنائیں اور اُس کو نہایت حقارت کے ساتھ رخصت کر کے لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا اور تیاری کے بعد خود حملہ کرنے کی نیت سے کُوچ کر کے حضیر کے قریب پانی کے چشموں کے پاس کیمپ لگا دیا۔ روانگی سے پہلے اُس نے ملکۂ ایران کو اصل کیفیت سے اطلاع دی۔ ملکۂ ایران نے اہواز کے حاکم کو، جس کا علاقہ عراق سے ملا ہوا تھا۔ لکھ بھیجا کہ تم اپنی فوج لے کر ہرمز کی امداد کرو اور اس کے ساتھ مل کر حملہ آوروں کو نیست و نابود کر دو۔ مگر ہرمز نے اُس کا انتظار نہ کر کے اور اپنے آپ کو عرب حملہ آوروں کے مغلوب کرنے کے لیے کافی سمجھ کر جلدی کوچ کر دیا

خالد کو اپنے پیغام کا جواب مل گیا تھا۔ اور وہ حجت تمام کر کے اللہ کا نام لیکر حجر سے چل پڑے تھے۔ سرحد پر پہنچ کر انہیں دشمن کا لشکر دکھائی دیا۔ اور اُنہوں نے بھی دشمن کے مقابل اپنا لشکر اُتار دیا۔

۱۱۔ جنگِ سلاسل

ایرانی لشکر کی تعداد خالدؓ بن ولید کے لشکر سے تین گنی تھی اور اس میں ایرانی باقاعدہ فوج اور جنگجو عربی اقوام شامل تھیں، مگر خالدؓ جن کو اپنے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر پورا یقین تھا اس کثرت سے مطلق نہ گھبرائے اور اپنے ہمراہیوں کو میدانِ جنگ میں لا کر یوں خطاب کیا۔

"میرے بھائیو! آج ہم عرب سے باہر نکل کر غیر ملکی لشکر کے مقابل ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے تو ہم آپس ہی میں لڑتے بھڑتے رہے، لیکن اب ہمارا مقابلہ ایرانی لشکر سے پڑا ہے اور یہ بڑی زبردست سلطنت ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ وہ ہمیں حقیر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہم خانہ جنگیوں کے باعث اپنی تمام طاقت باہمی کشت و خون میں صرف کر دیتے تھے، لیکن اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے ایک قوم بنا دیا۔ اسلام کے نور سے منور کر دیا اور اپنے پیارے حبیب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل گمراہی سے نکال کر ہدایت بخشی۔ ہمارے باہمی تفرقے مٹ گئے

عداوتیں دُور ہو گئیں اور ہم اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ قوم بن گئے۔ ہم اللہ کے ہیں۔ اور اللہ ہمارا۔ دیکھو، دشمنوں کی کثرت سے نہ گھبرانا۔ اللہ تعالیٰ نے لشکرِ اسلام کو ہمیشہ دشمنوں پر فتح دی ہے۔ تم خوب یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعدہ سچّا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیصر و کسریٰ کے خزانے مومنوں کو عطا فرمائے گا تو ان خزانوں کا خیال ہی نہ کرو۔ وہ دُنیاوی چیزیں ہیں اور ناپائدار۔ لیکن ایک عجیب وعدہ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے کیا تھا۔ اور جسکی اللہ تعالیٰ خود تصدیق کرتا ہے، وہ یہ ہے۔ کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرینگے، اُن کو اللہ تعالیٰ بہشتِ بریں میں جگہ دیگا۔ اور اپنے پاس ہمیشہ زندہ رکھے گا اور بہشت کی لازوال نعمتیں اُن کے لئے مہیّا کرے گا، جن میں وہ ہمیشہ فرحت و سرور کے ساتھ رہا کریں گے۔ اِس لئے تم نہ فتح کا خیال دل میں لاؤ، نہ شکست کا۔ تم اس نیّت سے میدان میں جاؤ۔ کہ تمہیں شہادت نصیب ہو اور تم سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں اور تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مستحق بن جاؤ۔ خوب یاد رکھو کہ جس شخص نے میدان سے مُنہ موڑا، وہ اللہ اور اُس کے رسُول

صلی اللہ علیہ وسلّم کا نافرمان ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب دشمن کے مقابلے پر نکلو۔ تو اُس کو پیٹھ مت دکھاؤ کیونکہ پیٹھ دکھانے سے تم اپنے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو دشمنوں کی نگاہ میں شرمسار کروگے۔ میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ جس شخص کے دل میں کمزوری کا مرض ہے اور اُسے اپنی جان اسلام سے عزیز ہے، وُہ اس لشکر سے جُدا ہو جائے اور اسلام کے نام کو بدنام کرنے والا نہ بنے اسلام کیا ہے؟ بس یہی کہ اللہ تعالےٰ کی مرضی پر اپنے آپ کو چھوڑ دینا۔ جان اُس کی، جسم اُس کا، مال اُس کا، سب کچھ اُس کا، ہم کیا ہیں؟ صرف اللہ کی مرضی دُنیا میں پھیلانے والے۔ یہ امانت ہمارے سپرد ہوئی ہے اگر ہم اس امانت کو پورے طور پر ادا کرگئے، تو اللہ کی رضامندی حاصل کرگئے۔ ورنہ صراطِ مستقیم سے دُور جا پڑے۔ میرے بھائیو! عرب کے غیور بیٹو! آج کا دن پھر نہیں آئیگا۔ آج ہم اسلام کے لئے جس قدر ہمت اور حوصلہ دکھائیں گے، وُہ ہماری آئندہ نسلوں کے لئے ایک نظیر ہوگی۔ عرب کی عزّت کو دیکھو اور اپنے خدا و رسُولؐ کو دھیان میں لاؤ۔ وُہ عرب کا غیور بادشاہ، وہ عرب کی عزّت قائم کرنے والا، جس کی بدولت ہم جہالت، وحشت اور بتوں کی غلامی سے

نکل کر یا خدا انسان بن گئے ہیں، اُس کی عزت اور غیرت کا پاس رکھو اور یُوں سمجھو کہ اس کی نظر تمہاری طرف ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ تم اُس کی اُمت دُنیا کے سامنے کیا نمونہ پیش کرتے ہو۔ اُس کے حکم کے بموجب صرف ایک اللہ تعالیٰ پر اپنا بھروسہ رکھو۔ وہی ہے۔ جس کے ہاتھ میں فتح و شکست ہے۔ وہی ہے، جو قوموں کو عزت دیتا ہے۔ اور وہی ہے۔ جو قوموں کو ذلیل کرتا ہے۔ مگر اُس کا وعدہ ہے۔ کہ مَیں اپنے خاص بندوں کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ بلکہ اُن کو دونوں جہان میں عزت اور کامیابی دیتا ہوں۔"

یہ تقریر سُنکر اسلامی لشکر سخت متأثر ہوا اور سب آبدیدہ ہو کر کہنے لگے: "اللہ تعالیٰ ہم کو میدان سے مُنہ موڑتے نہ دیکھے۔ ہم جان پر کھیل جائیں گے، مگر میدان سے مُنہ نہ موڑیں گے۔"

اُدھر ہرمز نے بھی اپنے لشکر کو آراستہ کر کے میدان میں نکالا اُس نے ایک دستہ فوج کو زنجیروں سے باہم جکڑ دیا تھا۔ تا کہ وہ میدان سے بھاگ نہ سکیں۔ اِس وجہ سے اس لڑائی کا نام جنگِ سلاسل یعنی زنجیروں کی لڑائی رکھا گیا۔ پھر اُس نے اپنی ایرانی فوج کو یُوں خطاب کیا: "اے ایران کے پہلوانو! یہ ننگے بھُوکے عرب تمہارے مقابلے پر آئے ہیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ موت اُن کے سر پر

سوار ہے۔ اِس لئے کہ پہلے سرحدی عربوں نے کئی بار ایرانیوں سے مقابلہ کیا اور ہمیشہ ایرانی فتحمند ہوتے رہے ایک ایک ایرانی سپاہی دس دس عربوں پر غالب آتا تھا۔ اور آج تو ان کی تعداد ہی نسبتاً کم ہے۔ بس دو ساعت میں ان کا کام تمام کردو اور ان کو اِس بیہودگی اور دیوانگی کا مزہ چکھا دو۔"

پھر اُس نے عراقی عربوں سے کہا: "یہ صحرائی عرب تمہارے بھائی بند ہیں، جو تمہارے مقابلے پہ آئے ہیں۔ ان کا منشا یہ ہے کہ تمہیں شاداب اور سرسبز زمین سے نکال کر آپ اس کے مالک بن جائیں۔ ان کو تم پر کچھ فوقیت حاصل نہیں۔ یہ بے سروسامان ہیں۔ اور تم باسامان ہو۔ اور ایک زبردست طاقت کی رعایا ہو اِن بھوکے عربوں کو میدان میں قتل کرو۔ یا ان کو واپس ریگستانوں میں بھگا دو۔ تاکہ یہ پھر اس طرف کا رُخ نہ کریں۔ اور تم بدستور اپنی زمینوں کے مالک بنے رہو۔ تمہارے سامنے ان کی حیثیت ہی کیا ہے؟ لحظہ بھر میں تم ان کا کام تمام کردو گے۔"

اِس کے بعد ہرمز نے اپنے لشکر کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اِدھر خالدؓ بن ولید بھی اپنے لشکر سمیت آگے بڑھے۔ درمیان میں دونوں لشکروں کی ٹکر ہوئی۔ خالدؓ کا حملہ بگولے کی طرح تھا۔ جس کے سامنے ایرانی لشکر لڑکھڑا گیا۔ اہلِ اسلام نے پہلے ہی حملے میں ایرانیوں کو پسپا کر دیا۔ ہرمز یہ دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ اور خود میدان

میں نکل کر اپنے لشکر کو اشتعال دلانے لگا۔ ایرانی اور عراقی پھر جم کر لڑنے لگے۔ مگر خالدؓ کی تلوار اُن میں قیامت برپا کئے ہُوئے تھی تھوڑی دیر میں ایرانی اور عراقی سپاہیوں کی لاشوں سے میدان بھر گیا۔ خالدؓ کے ہمراہی ایرانیوں کو برابر دبانے چلے جاتے تھے، بیچارے وہ سپاہی، جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے اور سوائے اس کے اُن کے لئے کوئی چارہ نہ رہا۔ کہ سب کے سب کٹ کر میدان میں ڈھیر ہو جائیں۔ ہرمز اہلِ عرب کی یہ شدت دیکھ کر سخت طیش میں آیا اور میدان میں نکل کر پکارا: "اہلِ عرب کا سردار میرے مقابل آئے اور مجھ سے تنہا جنگ کرے۔ اگر میں نے اُسے مار لیا، تو اہلِ عرب میرے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ اور اگر وہ مجھے مار لے، تو میری فوج اُس کی اطاعت منظور کر لے۔ ناحق سپاہیوں کا خُون کیوں گرایا جائے، ہم دونوں سپہ سالار باہم لڑ کر فتح و شکست کا فیصلہ کر لیں۔" خالدؓ یہ سُن کر ہرمز کے مقابل آگئے۔ مگر ہرمز نے میدان میں نکلنے سے پیشتر ایک دستہ فوج کو الگ کر کے کمین گاہ میں چھپا دیا اور اُن کو تاکید کر دی۔ کہ اگر عربی سردار کو غالب آتا دیکھو، تو فی الفور حملہ کر دینا۔ ہرمز بڑا تنومند اور دلاور تھا۔ اور اُس کو اپنے زور طاقت پہ بڑا ناز تھا۔ مگر عربوں کے حملے کی شدت اور خالدؓ کی تلوار کے جوہر دیکھ کر اُس نے اپنے بچاؤ اور خالدؓ کو قتل کرنے کے لئے

یہ احتیاط کرلی تھی۔ جب خالدؓ ہرمز کے مقابل ہوئے۔ تو ہرمز گھوڑے سے اتر پڑا اور کہنے لگا کہ آؤ ہم پیادہ لڑیں۔ خالدؓ بھی گھوڑے سے اتر کر پیادہ ہو گئے۔ لڑائی شروع ہوئی۔ پہلا وار خالد نے کیا۔ مگر ہرمز پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اس پر ہرمز نے تلوار کا وار بڑی شدت سے کیا۔ جس کو خالدؓ نے کسی قدر محسوس کیا۔ خالدؓ نے تلوار یکدم ہاتھ سے پھینک کر پھرتی سے ہرمز کا کمربند پکڑ کر زمین سے اٹھا لیا۔ ہرمز کے سوار یہ دیکھ کر کمین گاہ سے میدان کی طرف دوڑے، مگر اسی وقت اسلامی لشکر سے قعقاع بن عمرو تمیمی چند سوارے کر خالدؓ کی امداد کو پہنچے۔ اور ایرانی سواروں کو روک لیا۔ اس عرصے میں خالد نے نہایت اطمینان سے ہرمز کو زمین پر پچھاڑ دیا۔ ہرمز نے ہرچند ہاتھ پاؤں مارے، مگر خالدؓ کے فولادی پنجے سے کب نکل سکتا تھا! خالدؓ نے ایرانی سواروں کو میدان میں بڑھتے دیکھ کر جلدی کر کے سر تن سے جدا کر دیا اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ہرمز کا سر ایرانی سواروں میں پھینک دیا۔ ایرانی لشکر ہرمز کو قتل ہوتے دیکھ کر یکبارگی حملہ آور ہوا۔ مگر خالدؓ اور قعقاعؓ نے ایک ساعت میں اُن کو مار کر بھگا دیا جب ایرانی لشکر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ تو خالد نے مثنیٰ بن حارث کو ایک دستے کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ کیا اور اس کے بعد ایرانی کیمپ کو لوٹنے کا حکم دیا۔ بے شمار مال واسباب

اہلِ عرب کے ہاتھ آیا۔ جس میں ہرمز کا سنہری تاج اور ایک ہاتھی بھی تھا۔ خالدؓ بن ولید نے مالِ خمس کے ہمراہ ہرمز کا وہ تاج اور ہاتھی بھی خلیفۂ اوّل کی خدمت میں بھیج دیا۔ خلیفۂ اوّل اس فتح کی خبر سُن کر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے اور ہاتھی کو مدینے کے گرد ایک چکر دے کر واپس خالد کے پاس بھیج دیا۔

مُثنّیٰ بن حارث فرات سے گزر کر ایرانیوں کا برابر تعاقب کرتے چلے گئے۔ جو بے تحاشا ڈلٹا کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ راستے میں مُثنّیٰ نے دو چھوٹے چھوٹے قلعے بھی فتح کر لئے۔ جو ایک ایرانی شہزادی کی ملکیت تھے اور ایرانی شہزادی نے اطاعت قبول کر کے مثنّیٰ کے بھائی کے ساتھ شادی کر لی۔ مُثنّیٰ بڑھے جا رہے تھے۔ کہ حاکمِ اہواز، جس کا نام قارن تھا۔ پچاس ہزار فوج کے ساتھ ڈلٹا میں پہنچ گیا۔ اور ہرمز کے بھاگے ہوئے سپاہیوں کو اپنے ساتھ شامل کر کے آگے بڑھا۔ مثنّیٰ کثیر لشکر دیکھ کر اپنے قدموں پر ٹھیر گئے۔ اور خالدؓ کو اس نئی فوج کی اطلاع بھیج دی۔ خالدؓ فی الفور باقی ماندہ لشکر لے کر موقع پر پہنچ گئے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر خالد جلدی نہ پہنچے، تو مثنّیٰ اور اُن کے ہمراہی ایرانی تلوار کا لقمہ بن جاتے۔

خالد بن ولید کے پہنچنے پر لڑائی شروع ہوئی اور ایرانیوں نے ہر چند زور مارا، مگر پیش نہ گئی۔ خالد اور اُن کے ہمراہیوں نے

چُن چُن کر ایرانی پہلوان قتل کر دیئے۔ اور پھر یک بارگی حملہ کر کے بیس ہزار ایرانی قتل کر ڈالے۔ قارن اور اُس کے ہمراہی دو شہزادے بھی قتل ہوئے۔ اس پر ایرانی فوج گھبرا کر بھاگ نکلی اور میدان خالدؓ بن ولید کے ہاتھ رہا۔ بے شمار ساز و سامان اہلِ اسلام کے ہاتھ آیا۔ اور اس فتح پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔

۱۲۔ جنگِ وَلجہ

جب پے در پے دو شکستوں کی خبر مدائن پہنچی، تو ملکۂ ایران اور اُس کے درباری گھبرا گئے۔ اب اُنہوں نے سمجھا کہ جس قوم کو اُنہوں نے حقیر اور کمزور خیال کیا تھا۔ وُہ طاقتور ہے۔ ایران کے مقابلے پر اہلِ عرب کی کچھ حقیقت خیال نہ کی جاتی تھی۔ اور ملکۂ ایران کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ بڑے نامی جرنیل اور سردار موجود تھے اور لاکھوں کا لشکر میدانِ جنگ میں بھیجا جا سکتا تھا۔ صرف دو سرداروں کے مارے جانے اور دو شکستیں کھانے سے ایران کی طاقت میں کچھ فرق نہ آ سکتا تھا۔ بعدِ مشورہ یہ قرار پایا کہ عربوں کے مقابلے پر عرب نسل کے جوان بھیجنے چاہئیں۔ اس پر ملکۂ ایران کے حکم سے بنی بکر اور دیگر عرب قبائل سے، جو ایران کے فرماں بردار تھے۔ ایک فوج تیار کی گئی اور اُن پر ایک عرب سردار مقرر کر کے اہلِ عرب کی پیش قدمی روکنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ اس خیال سے کہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔ خالد بن ولید نے سرحدِ عراق پر ایک مختصر سی فوج چھوڑی اور خود آگے بڑھے اور مقامِ وَلجہ میں، جہاں دریائے دجلہ و فرات ملتے ہیں، دُشمن کا مقابلہ کیا اور فاش

شکست دی۔ جب خالدؓ نے اس سرسبز اور شاداب قلعے کا نظارہ کیا۔ تو اپنے ہمراہیوں سے کہا: "اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم اور اپنے پیارے حبیبؐ کی بدولت تم کو یہ زمینی بہشت عطا کیا ہے۔ اگر محض دُنیا کی نظر سے دیکھو، تو بھی یہ سرزمین اس قابل ہے کہ اپنا خون بہا کر بھی اس پر قبضہ رکھو۔ لیکن تم کو تو اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق یہ زمین بہ لحاظ اپنے صالح بندے ہونے کے عطا کی ہے۔ اور تم کو اپنی مہربانی سے اس کا وارث بنایا ہے۔ تاکہ اس کفرستان میں خدائے واحد کا نام پکارا جائے اور انصاف و عدل قائم کیا جائے۔ اب تمہارا یہ فرض ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کی قدر کرو۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر قبضے میں رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر رہے۔"

۱۳۔ دریائے خون

اِن لڑائیوں کے نتیجے سے عرب اقوام میں، جو عراق، اطرافِ جزیرے اور فرات کے مغربی ساحل پر آباد تھیں، بڑا جوش پیدا ہوا۔ اور اُن کے سرداروں نے دربارِ ایران میں عرضیاں بھیج کر کہا:۔ "جس طرح ہو سکے۔ حملہ آور عربوں کو ملک سے دُور کرنا چاہیئے۔ اگر دربارِ ایران طاقتور فوج مقابلے کے لئے روانہ کرے، تو ہم سب اُس کے ساتھ شامل ہو کر حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے۔" چنانچہ ملکۂ ایران نے ایک تجربہ کار جرنیل کو، جس کا نام بہمن تھا۔ اس مہم پر مامور کیا۔ بہمن نے حملہ آوروں کو ملک سے نکال دینے کا بیڑا اُٹھایا۔ ساز و سامان درست کرنے میں مصروف ہوا۔ مگر بیشتر اس کے اُس نے ایک سردار کو، جس کا نام جابان تھا۔ اس کام پر مامور کیا کہ وہ ایران کی عرب رعایا کو ایک جگہ جمع کرے۔ لیکن مقابلے کے لئے آگے نہ بڑھے جب تک کہ خود بہمن مع ایرانی فوج کے اس کے پاس نہ پہنچ جائے۔ جابان نے عرب اقوام کو مقامِ الیس میں، جو ابلہ اور حیرہ کے عین وسط میں فرات کی شاخ پر واقع تھا، کمپ لگایا اور چار طرف سے عرب اقوام آ کر جمع ہو گئیں۔ اِن میں ایک عرب

پہلوان تھا، جو ہزار سوار سے مقابلہ کرنے میں مشہور تھا۔

جب خالدؓ کو اطلاع ملی کہ ایرانی علاقوں کی تمام عرب اقوام اس پر جمع ہوئی اور ایرانی سپہ سالار کی آمد کا انتظار کر رہی ہیں اور ان میں ایک پہلوان ہزار سوار کی طاقت کا ہے، تو انہوں نے مناسب سمجھا کہ ایرانی فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی عرب اقوام پر حملہ کر دیں۔ انہوں نے ڈلٹا میں مختصر فوج تیار کر کے اور اپنا عقب محفوظ کر کے اس پر چڑھائی کی۔ جابان اطمینان کے ساتھ کیمپ لگائے ہوئے بہمن کا انتظار کر رہا تھا۔ اس پر عرب اقوام کی دلجوئی کی غرض سے ان کو ایک پُر تکلف دعوت دی۔ وہ کھانے کو بیٹھے ہی تھے۔ کہ خالدؓ کا لشکر اچانک وہاں پہنچ گیا۔ وہ کھانے سے ہاتھ اٹھا کر میدان میں نکل آئے۔ خالد کا حملہ بڑا سخت تھا، مگر ایران کی عرب رعایا بڑی جانفشانی سے لڑی اور مردانگی کا حق ادا کیا۔ خالدؓ نے میدان میں للکار کر اس مشہور ہزار سوار پہلوان کو لڑائی کے لئے طلب کیا۔ وہ بڑی سختی سے خالدؓ کے مقابل ہُوا۔ مگر خالد نے پہلے ہی حملے میں اس زور کے ساتھ نیزہ مارا کہ بُالف کے پیٹ پر بیٹھا جس کے صدمے سے ہزار سوار پہلوان گھوڑے سے الگ ہو کر سر کے بل زمین پر اوندھا جا پڑا اور گرتے ہی اس کا دم ہوا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر دشمن کے لشکر پر ایک سناٹے کا عالم طاری ہُوا۔ مگر لڑائی بدستور جاری رہی۔ دشمن کے مقتولوں کا کوئی اندازہ

نہ رہا۔ خون میدان میں پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ عراقی بڑی ثابت قدمی سے میدان میں اڑے رہے۔ مگر نتیجہ یہی ہوا کہ بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہو رہے تھے۔ اسلامی عربوں کی تلوار پیغام اجل لئے ہوئے اُن پر برس رہی تھی جس کے سر پر پڑی، اُس کو دو ٹکڑے کر دیا۔ مگر کب تک یہ صورت قائم رہ سکتی تھی اور وہ کہاں تک الٰہی ہیبت کے سامنے ٹھیر سکتے تھے؟ آخر اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور ہمت ہار کر بھاگ نکلے۔ لشکرِ اسلام مظفر و منصور ہوا۔

اہلِ عرب کی یہ عادت تھی۔ کہ وہ ہر ایک واقعے کا نام رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ اس لڑائی کا نام اُنہوں نے دریائے خون رکھا اس لئے کہ میدانِ جنگ میں دشمن کا خون پانی کی طرح بہتا تھا، مگر اس نام کی وجہ سے مؤرخوں نے بڑی ٹھوکر کھائی۔ اور اُنہوں نے سچ مچ کا دریائے خون بنانے کے لئے ایک روایت بھی وضع کر لی۔ جو یہ ہے :-

خالدؓ بن ولید نے جب الیس پر چڑھائی کی، تو اُنہوں نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے یہ قسم کھائی۔ کہ اگر اس لڑائی میں مجھ کو فتح ہوئی تو میں اپنے دشمنوں کا اس قدر خون بہاؤں گا۔ کہ اس نہر میں بجائے پانی کے خون جاری ہو گا۔ چنانچہ جب خالدؓ کو فتح ہوئی۔ تو اُنہوں نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ تعاقب کرتے ہوئے کسی دشمن کو قتل نہ کرو، بلکہ سب کو قید کر لاؤ۔ چنانچہ ہزارہا قیدی گرد و نواح سے

پکڑ کر لائے گئے۔ اور خالدؓ نے اُن کو نہر کے کنارے کھڑا کر کے
قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ اور اس کثرت سے آدمی قتل کئے گئے کہ
نہر میں انسانی خون کئی دن تک جاری رہا۔

سر ولیم میور نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ نہر خشک تھی جب
وہاں گروہ در گروہ آدمی قتل کئے گئے۔ تو ریت جذب کرتی گئی۔ اور
خون جاری نہ ہوا۔ اس پر خالدؓ نے اور قیدی پکڑ کر قتل کرائے تا کہ
نہر میں خون جاری ہو۔ اور اُن کی قسم پوری ہو۔ مگر پھر بھی خون جاری
نہ ہوا۔ آخر ایک شخص نے صلاح دی کہ نہر میں پہلے پانی چھوڑنا چاہیئے
تب خون جاری ہوگا۔ اور قسم پوری ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور
خالدؓ کی قسم پوری ہوئی۔ اس نہر پر آٹا پیسنے کی پن چکیاں بھی تھیں
اور تین دن تک خونی پانی سے فوج کے لئے آٹا پستا رہا۔

اِن مہربانوں نے ایسی روایات وضع کرتے وقت اِس بات کا
مطلق خیال نہیں کیا کہ قرآن کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ہم نشینی کا صحابۂ کبارؓ پر کیا اثر تھا۔ خالد بن ولیدؓ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اور ممتاز صحابیوں میں سے تھے۔ وہ
قرآن کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے فیض یافتہ
تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سیف اللہ (الٰہی تلوار)
کا لقب عطا فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفۂ اول، جو مجسم ایمان
اور مجسم قرآن تھے، خالد بن ولید پر بڑا اعتماد کرتے تھے۔ اور اُن کا

پورا اعتقاد تھا۔ کہ خالد کی تلوار (الٰہی تلوار) کسی بے گناہ کا گلا نہیں کاٹ سکتی خالد بن ولید ایک پکے مسلمان اور قرآن پر پورا عمل کرنے والے تھے۔ یہ درست ہے۔ کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جو اگر تم پر زیادتی کریں۔ تم بھی اُن پر زیادتی کرو۔ مگر مؤرخوں نے اس بات کی کوئی وجہ نہیں لکھی کہ عراقیوں نے خالدؓ اور اُنکے ہمراہیوں پر کیا زیادتی کی تھی۔ جس کی بنا پر اُنھوں نے ایسی قسم کھائی۔ عراقیوں کا خالد کے مقابلے کے لئے جمع ہوتا اس قسم کے لئے معقول وجہ نہیں ہو سکتا۔ اُن کا حق تھا کہ وہ سرِ میدان حملہ آوروں کے ساتھ جنگ کرتے اور خالد بھی اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ ان کو ایرانی سلطنت سے بہت سے مقابلے کرنے پڑینگے۔ بلکہ خالد کی طرف سے تو پہلے اعلان ہو چکا تھا۔ کہ اسلام قبول نہیں کرتے یا ہماری حفاظت میں نہیں آنا چاہتے تو میدانِ جنگ میں نکل کر ہم سے فیصلہ کرلو۔ چنانچہ وہ میدان میں نکلے اور میدانِ جنگ میں فریقین کو حق حاصل تھا۔ کہ اپنی طاقت سے ایک دوسرے کا خون بہائیں۔ یہ شجاعت کا کام تھا اور اس کو مردانگی اور تہور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ فریقین نے میدان میں اپنا زور خرچ کیا۔ عراقیوں نے اہلِ اسلام کا خون بہانے کے لئے از حد کوشش کی مگر یہ ہیبتِ الٰہی تھی۔ جس نے خالد اور اُن کے ہمراہیوں کو دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھا۔ اور اُن کے بازوؤں میں وہ فوق العادت زور بخشا کہ اُنھوں نے اپنے دشمنوں کو میدان

جنگ میں ذبح کر ڈالا۔ لیکن خالد کو ایسی کیا دقت پیش آئی تھی کہ وہ خلافِ تعلیمِ اسلام اس قسم کی لایعنی قسم کھاتے؟ اور اُنہیں کیا ضرورت تھی کہ بے گناہ قیدیوں کا خون خلافِ حکم خدا و رسولؐ ندی میں بہاتے؟ قیدیوں کے لئے صاف حکم تھا کہ یا تو ان کو غلام بنا لیا جائے یا زرِ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ قیدی کا قتل یا امان خواہ کا قتل اسلام میں جائز نہ تھا سوائے اس صورت کے کہ قیدی عہد شکن، غدّار یا باغی ہوتا مگر یہاں کوئی ایسی صورت درپیش نہ تھی۔ بلکہ خلیفہ اول نے تو عرب کے باغیوں کو بھی امان خواہ ہونے پر معافی دے دی تھی۔ ابو عبیدہؓ بن جراح نے شام میں اور عمرو بن عاص نے مصر میں یہی اصول مدِ نظر رکھا۔ اُنہوں نے ایک بے گناہ کا خون بھی روا نہیں رکھا۔ میدانِ جنگ میں اُنہوں نے ہزاروں قتل کئے۔ مگر جس نے اُن سے امان مانگ لی اُس کو قتل نہیں کیا۔ جس نے اُن کی اطاعت کر لی۔ اُس کو دُکھ نہیں دیا۔ چنانچہ عراق میں اُنہوں نے زمینداروں کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کیا کہ اس سے پہلے عراق کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی خالد بن ولید کوئی سفاک اور بے رحم نہ تھے۔ کہ میدانِ جنگ میں دشمنوں کا جائز طور پر خون بہا کر بے کس اسیروں کے خون سے سچ مچ کی خونی نہر جاری کرتے۔ وہ کوئی بُت پرست جاہل عرب تھے۔ کہ منذر سوم (شاہِ حیرہ) کی طرح چار سو عیسائی راہبوں کو اپنے بُت کی قربانی چڑھاتے۔ وہ اسکندر یونانی نہ تھے کہ ایک ملدا لُفت کی تحریک پر ایران کے

دارالخلافہ اصطخر کو جلا کر راکھ کر ڈالتے اور وہاں کے باشندوں کو امان دینے کے باوجود تہ تیغ بے دریغ کر کے آگ اور خون سے اپنی یادگار قائم کرتے۔ وہ رومی شہنشاہ نہ تھے کہ پھبتی یا ہجو کر سننے پر اسکندریہ کے آباد شہر میں قتل عام کر کے تمام شہر کو ویران اور اُجاڑ کر دیتے بلکہ وہ خلقِ محمدی کا نمونہ تھے، وہ اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھتے تھے اور احکام اسلام کے پورے پابند تھے اور اپنی فتح کی یادگار نمازِ فتح، نمازِ شکرانہ اور باری تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر کر قائم کرتے۔ وہ اسلام کے فدائی اور شہادت کے مشتاق تھے۔ وہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے اور بہشت کی نعمتوں کا اپنے آپ کو حقدار بنانے کے از حد خواہشمند تھے۔ پھر ایسی سیرت اور ایسے رویے کے آدمی سے کس طرح ایسا سفاکانہ، قصابانہ، بلکہ بزدلانہ فعل منسوب کیا جا سکتا ہے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خالدؓ بن ولید کے ذمے ایسا زبوں فعل لگانا سراسر افترا اور بہتان ہے اور اگر زیادہ نرم الفاظ میں کہا جائے، تو یہ مؤرخوں کا مغالطہ ہے۔

اسلام کی تعلیم، حقوقِ انسانی کی رعایت اور مخلوقِ خدا کے ساتھ شفقت سے پیش آنا تو درکنار۔ اس فعل کو عرب کے زمانۂ جاہلیت کی نظر سے دیکھا جائے تو بھی یہ فعل ایک عرب سے سرزد نہیں ہو سکتا تھا۔ اور پھر خالدؓ جیسے جری اور شجاع آدمی سے، جو شجاعت مجسم اور مردانگی کا کامل نمونہ تھے۔ اہلِ عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر

ذمی شخص کسی کے خیمے کی رسّی پکڑ لیتا، تو وہ صاحبِ خیمہ کی حفاظت
میں آجاتا اور صاحبِ خیمہ کا فرض ہو جاتا کہ امان خواہ کو اُس کے
دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ خواہ اُس کی اپنی جان بھی اُسکی حفاظت
میں چلی جائے۔ اگر امان خواہ نے صاحبِ خیمہ کے حقیقی بیٹے کو بھی کبھی
قتل کیا ہوتا، تو بھی اُس سے قصاص نہ لیا جاتا اور اُس کو برابر پناہ
ملتی۔ پھر کس طرح باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ خالدؓ نے ایک عرب اور پھر
مسلم ہو کر عراقی قیدیوں کو، جو اُن کی امان میں آگئے تھے، ایسی بیرحمی
اور بے دردی کے ساتھ قتل کر کے خون کی نہر جاری کر دی، جس سے
تین دن تک آٹا پستا رہا؟

جب خالدؓ بن ولید اور اُن کے ہمراہیوں نے دشمن کے کمپ
پر قبضہ کیا، تو وہاں پکا پکایا کھانا موجود پایا۔ خالد نے اپنے ہمراہیوں
سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر نوشِ جان کرو۔ کھانا نہایت پُرتکلف ہے
اہلِ عرب نے بڑے شوق سے کھایا۔ پھر اللہ کا شکر ادا کر کے مالِ
غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوئے۔ خالدؓ نے خمس مدینے روانہ
کیا اور فتح کی کیفیت بھی لکھ بھیجی۔ اہلِ مدینہ یہ خبر سُنکر نہایت
خوش ہوئے اور خلیفۂ اوّل نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بعد
فرمایا کہ عرب کی عورت دوسرا خالدؓ نہ جنے گی۔ اُلّس کے قریب ایک
بڑا شہر امغیسیا تھا۔ خالدؓ نے اس شہر پر حملہ کیا، مگر اہلِ شہر نے
امان مانگ لی اور خالد کی حفاظت میں آگئے۔ خالدؓ کا ارادہ عراق

سے مدائن کی طرف بڑھنے کا تھا، مگر جب اُنھوں نے دیکھا کہ مقام الیس پر فرات کے مغربی اور مشرقی ساحل کی تمام عرب قومیں ان کے مقابلے کے لئے جمع ہوگئیں، تو اُنھوں نے پہلے اِن اقوام کو مطیع کرنے کا خیال کیا، کیونکہ اگر وہ بغیر اُن کو مغلوب کرنے کے مدائن کی طرف بڑھ جاتے، تو یہ قومیں اُن کے عقب پر حملہ آور ہو کر گھیر لیتیں اور عرب سے اُن کا تعلق قطع کر دیتیں۔ مگر خالد بن ولید جن کو اللہ تعالیٰ نے زورِ بازو اور فوق العادت شجاعت کے ساتھ تدبیر جنگ میں کامل مہارت عطا فرما رکھی تھی۔ اور جنھوں نے کئی خطرناک موقعوں پر اپنی جرنیلی قابلیت اور جنگی ہنر مندی کے عجیب عجیب ثبوت دیئے تھے۔ پہلے ہی تاڑ گئے۔ کہ مدائن کی طرف بڑھنے سے پہلے اقوامِ عرب کو مطیع کرنا اور اپنے عقب کو محفوظ کر لینا نہایت ضروری ہے اِس خیال سے اُنھوں نے حیرہ پر، جو اب برائے نام عربی سلطنت رہ گئی تھی۔ چڑھائی کر دی۔

۱۴۔ فتح حیرہ

جب خالد حیرہ کے قریب پہنچے۔ تو ایرانی گورنر اور ایاس بن قبیصہ، جو برائے نام بادشاہ تھے، مقابلے پر نکلے، مگر خالد نے پہلے ہی حملے میں دشمن کو بھگا دیا۔ شاہِ حیرہ کو تو میدان میں قتل کیا اور اس کے بیٹے کو اسیر کر لیا۔ مگر ایرانی گورنر جان بچا کر مدائن بھاگ گیا۔ اور اہلِ شہر قلعہ بند ہو کر کچھ دن مقابلے پر اڑے رہے۔ خالدؓ نے حیرہ کو محاصرے میں لے لیا۔ آخر حیرہ کے چند سرداروں نے زیادہ مزاحمت فضول سمجھ کر خالد سے صلح کی درخواست کی۔ خالد نے صلح منظور کر لی۔ خالد نے اُن کو اسلام کی دعوت دی، مگر انہوں نے انکار کیا۔ پھر تمام لشکر مظفر و منصور قلعے میں داخل ہوا۔ خالد نے شہر میں پہنچتے ہی یہ اعلان جاری کیا:۔

"اہلِ حیرہ کا جان و مال محفوظ ہے۔ اُن کو مذہبی اور معاشری آزادی پورے طور پر حاصل رہیگی۔ ان کے عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے گی۔ وہ شوق سے ناقوس بجایا کریں، کھلے بندوں اپنے عبادت خانوں میں جایا کریں جسب دستور مذہبی اور معاشری جلوس نکالا کریں۔ کوئی ان سے متعرض نہ ہو گا۔ بلکہ

اہلِ اسلام دل و جان سے ان کی حفاظت کرینگے"۔
اس اعلان کے جاری ہوتے ہی گرد و نواح کے زمیندار جوق جوق خالدؓ کے پاس آنے لگے اور رضا و رغبت سے اہلِ اسلام کی حفاظت میں آ گئے۔

یہ پہلا دارالخلافہ تھا۔ جو عرب کے باہر اہلِ عرب کے قبضے میں آیا۔ خالدؓ نے اس کو اپنا صدر مقام مقرر کیا۔ اور نمازِ شکرانہ ادا کی نماز کے بعد اُنھوں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا: "میرے بھائیو! تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بڑی جواں مردی اور شجاعت دکھائی ہے۔ جنگِ موتہ میں نو تلواریں میرے ہاتھ میں ٹوٹی تھیں۔ لیکن وہاں مجھے ایسے بہادر دشمنوں سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ جیسے کہ یہاں سخت جنگجوؤں سے معرکہ پیش آیا۔ خصوصاً الیس کے مقام پر ہمارے حریف بڑے زبردست تھے۔ اور محض اللہ تعالیٰ کی تائید سے ہم نے اُن پر فتح پائی۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حافظ و ناصر ہے"۔
خلیفۂ اوّل کے تاکیدی حکم کے مطابق خالدؓ نے زمینداروں کی زمین اُنہیں کے قبضے میں رہنے دی اور حیرہ اور دیگر شہروں کی حکومت بھی باشندوں کے حوالے کی گئی۔ خالدؓ نے اُنکی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اور اُنھوں نے فرماں بردار رہنے کا عہد کیا۔ اس طرح حیرہ کا علاقہ اور عراق کا زیرین حصّہ (ڈلٹا) اہلِ عرب کی حکومت میں آ گیا۔ تمام علاقے کے بڑے بڑے زمینداروں نے

موافق خالدؓ کے سامنے نذرانے لائے۔ مگر بسیر چشم اور ایماندار خالدؓ
نے وہ سب نذرانے اور تحفے مالِ خمس کے ہمراہ خلیفۂ اوّل کی خدمت
میں بھیج دیئے۔ اور لکھ دیا کہ یہاں کے لوگوں نے مجھے یہ نذرانے اور
تحفے اپنے دستور کے موافق دیئے ہیں۔ مگر میں اُن کو اپنا حق نہیں
سمجھتا، اِس لئے بیت المال میں داخل کرنے کے لئے بھیجتا ہوں،
خلیفۂ اوّل نے بیت المال میں داخل کر لئے اور خالد کو لکھا۔ کہ جن
لوگوں نے یہ نذرانے اور تحفے دیئے ہیں۔ اُن کو یہ سالانہ خراج
میں مجرا دیئے جائیں۔ کیونکہ اسلام میں سوائے خراج کے، جو مقرر
ہو چکا ہو۔ اور کوئی نذرانہ وغیرہ رعایا سے لینا جائز نہیں اور جب
تک مفتوح علاقے میں بخوبی تسلط قائم نہ ہو جائے، تب تک
اسلامی لشکر بہ اُن کی طرف بڑھنے نہ پائیں۔ خالد کو پہلے ہی اس
بات کا پورا خیال تھا۔ اس لئے اُنہوں نے فرات کے مغربی ساحل
کے باقی قلعوں کو فتح کرنے کا عزم کیا۔

۱۵۔ فتح انبار

انبار کا قلعہ دریائے فرات پر بابل سے ۴۰ میل شمال مغرب میں تھا۔ قلعہ نہایت مضبوط تھا اور اس میں ایرانی فوج بکثرت تھی۔ خالدؓ نے حیرہ میں قعقاع کو امیر مقرر کیا۔ اور آپ لشکر لے کر انبار کی طرف بڑھے۔ ایرانی گورنر جس کا نام شہرزاد تھا۔ ستر ہزار کی جمعیت سے میدان میں نکلا۔ اور اگلی صف میں زرہ پوش سپاہی کھڑے کئے، جو سرتاپا آہن میں غرق تھے۔ خالدؓ نے ان کو دیکھ کر اپنے تیراندازوں سے کہا: "آج تمہارا کام ہے، تم آگے بڑھ کر زرہ پوش سپاہیوں پر ایسے تاک کر تیر مارو۔ کہ ان کی آنکھوں میں گھر کریں۔" عرب تیراندازوں نے تیروں کی ایسی بارش کی کہ بقول طبری دس ہزار دشمنوں کو اندھا کر دیا۔ زرہ پوش سپاہیوں میں ہل چل مچ گئی۔ معاً خالدؓ نے ایک دستۂ فوج کے ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ اور تھوڑی دیر میں دشمن کو ہٹا کر پسپا کر دیا۔ شہرزاد قلعے میں داخل ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ مگر ساتھ ہی اس نے خالد کو صلح کا پیغام بھیجا۔ خالدؓ نے صلح منظور کر لی اور اس کو اجازت دی کہ وہ اپنا مال اسباب اور کنبہ لیکر انبار سے چلا جائے۔ شہرزاد کے چلے جانے کے بعد لشکر اسلام انبار میں داخل ہوا اور اس پر فتح پر سب اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔

۱۶۔ فتح عین التمر

خالدؓ انبار کو فتح کر کے عین التمر کی طرف بڑھے، جو انبار سے تین دن کی مسافت پر مغرب کی جانب تھا۔ عین التمر کا ایرانی حاکم مہران تھا۔ اور اُس کے ماتحت بنی بکر اور بنی تغلب وغیرہ قبیلوں کے بکثرت آدمی تھے۔ ان میں ایک نامی شجاع عقبہ تھا۔ اُس نے مہران سے کہا۔ کہ اگر لشکر کی کمان مجھے دو۔ تو میں ان عربوں کو بھگا دوں مہران نے منظور کر لیا۔ اور عقبہ نے عرب اقوام کے سپاہی لے کر میدان میں کیمپ لگایا۔ مہران اور اُس کے سپاہی قلعے کے دروازے پر مقیم رہے۔ جب فریقین ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوئے۔ تو عقبہ میدان میں نکلا۔ اور پکارا کہ عربی سپہ سالار میرے مقابل آئے۔ خالدؓ اُس کے مقابلے پر گئے اور دو تین واروں کے بعد خالدؓ نے عقبہ کو گھوڑے سے اُٹھا لیا۔ اور گرفتار کر کے اپنے لشکر میں لے آئے۔ پھر عقبہ کے لشکر پر حملہ کیا۔ اور چشم زدن میں اُن کو بھگا دیا۔ مہران بھی اُن کو بھاگتے دیکھ کر اپنے ہمراہیوں سمیت مدائن کو بھاگ گیا۔

۱۷۔ فتح دُومتہ الجندل

عیاض بن غنم ابھی تک دومتہ الجندل میں گھرے ہوئے تھے اور اُن کو سرحدی عربوں نے ،جن میں بنی غسّان بھی شامل تھے، ایک اِنچ بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔عیاض نے ناچار ہو کر خالد سے امداد کی درخواست کی۔خالدؓ عین التمر میں داخل ہوئے ہی تھے۔ کہ اُن کو عیاض کا قاصد ملا۔خالد نے مختصر فوج قلعے کی حفاظت پر چھوڑ کر دومتہ الجندل پر چڑھائی کی۔ایک حصّہ فوج عیاض بن غنم کی امداد کے لئے روانہ کر دی۔اور دوسرا حصّہ اپنی ماتحتی میں رکھ کر دومتہ الجندل کے قلعے کے برابر آئے۔خالد کے پہنچتے ہی دومتہ الجندل کے سرداروں میں تھلکہ پڑ گیا۔مگر پھر بھی وہ بڑی شجاعت سے لڑے۔آخر اُن کا سردار جُودی خُون ریز لڑائی کے بعد مارا گیا اور قلعے پر خالدؓ کا قبضہ ہو گیا۔عیاض بن غنم بھی خالد سے آملے۔خالد نے دومہ کو فتح کرنے کے بعد فرادہ پر ایک بہت بڑی شاندار فتح حاصل کی۔خالدؓ کا ارادہ تھا۔کہ تمام سرحدی علاقے کو خلیج فارس کے ساحل سے لے کر فرادہ تک مسخر کر کے اس تمام علاقے کو بخوبی محفوظ کر کے مدائن تک بڑھیں، مگر وہ اس تیاری ہی میں

تھے۔ کہ خلیفۂ اوّل کا یہ حکم نامہ پہنچا کہ مُثنّٰی بن حارث کو عراق میں امیر مقرر کر کے وہ خود بہت جلد شام چلے جائیں۔ خالد اس حکم کے پہنچتے ہی پندرہ سو سوار لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے اور باقی لشکر عراق میں چھوڑ کر مُثنّٰی بن حارث کو عراق کا امیر اور سپہ سالار مقرر کر گئے۔

۱۸۔ عراق کے اور معرکے

جب خالدؓ بن ولید شام کی طرف چلے گئے۔ تو دربار ایران نے ایک اور سردار کو اہلِ اسلام کے مقابلے پر روانہ کیا۔ مثنٰی یہ خبر پاتے ہی نو ہزار جوان کی جمعیت سے حیرہ سے نکلے۔ اور دریائے فرات کو عبور کرکے بابل کے کھنڈروں کے شمال میں حیرہ سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر ایک کھلا میدان تجویز کرکے کیمپ لگایا۔ اتنے میں ایرانی لشکر بھی آپہنچا۔ ایرانیوں کے ہمراہ چند ہاتھی بھی تھے، جو اُنہوں نے اپنی فوج کے آگے رکھے۔ جب فریقین میں لڑائی شروع ہوئی۔ تو ہاتھیوں نے اسلامی لشکر کو نہایت دِق کیا۔ آخر مثنٰی نے چند منچلے جوان ہمراہ لیکر ہاتھیوں پر حملہ کیا۔ ہاتھی اُلٹے پاؤں بھاگے اور اپنی ہی فوج کو پامال کرنے لگے۔ مُثنٰی نے موقع غنیمت سمجھ کر یک بارگی حملہ کر دیا اور دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ ایرانی تاب نہ لاکر بھاگ گئے۔ اور مُثنٰی اُن کا مال اسباب لے کر مظفر و منصور حیرہ میں واپس آگئے۔ مُثنٰی نے خیال کیا کہ وہ اتنی تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ اتنی وسیع سرحد کو محفوظ نہ رکھ سکیں گے۔ جب کہ آئے دن اُن کو ایرانی فوج

ہی سے مقابلہ پیش آتا رہیگا چنانچہ اُنہوں نے خلیفہ اول کو خمس کے ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ عراق کے لئے اور فوج روانہ کیجئے کیونکہ موجودہ فوج کافی نہیں۔ کچھ عرصے تک اُنہوں نے انتظار کیا۔ مگر کوئی جواب نہ آیا۔ اس پر حیرہ کا انتظام اپنے بھائی کے سپرد کرکے خود مثنےٰ مدینے میں خلیفہ اول کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر خلیفہ اول کو سخت بیمار پایا۔ خلیفہ اول نے مثنیٰ کا حال سُن کر حضرت عمر کو بلایا۔ اور اُن سے تاکیداً کہا:۔ "فوج فراہم کرکے بہت جلد مُثنّیٰ کے ہمراہ بھیج دو۔ اور اس میں ہرگز تاخیر نہ کرو۔ کیونکہ یہ کام بڑا ضروری ہے۔ اگر مَیں آج مر جاؤں، تو بھی اس کام میں تاخیر نہ کرنا اور اگر زندہ رہا۔ تو بھی کل عراق کو فوج روانہ کر دینا۔ ایسا نہ ہو کہ میری وفات کی وجہ سے تم اس کام میں دیر لگا دو۔ کیونکہ میں نے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صدمہ اُٹھانے کے اسامہ کے لشکر کو فی الفور روانہ کر دیا تھا۔ ایسا ہی تم بھی کرنا اور میری وفات کے غم کی وجہ سے سلطنت کے کام میں غفلت نہ کرنا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ جب شام فتح ہو جائے تو اُس فوج کو، جو عراق سے شام میں بھیجی گئی ہے، واپس عراق میں بھیج دینا۔ کیونکہ وہ عراق کے انتظام کے لئے نہایت موزوں اور بہتر ہے۔" اُسی رات خلیفہ اول نے وفات پائی اور اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ دوسرے دن حضرت عمر نے مثنیٰ کے لئے فوج فراہم کرنے کا اعلان

کیا اور اس غرض کے لئے مسجد کے صحن میں ایک جھنڈا نصب کیا گیا۔ پہلے دن کوئی آدمی عراق جانے کے لیئے تیار نہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کو اس سے بڑا تعجب ہوا۔ دوسرے دن حضرت عمرؓ نے پھر نہایت زور سے دعوت دی۔ مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر مثنیٰ نے اس خیال سے کہ شاید اہلِ عرب ایرانیوں کی بہادری سے خوف کھاتے ہیں، کھڑے ہو کر کہا: "میرے بھائیو! میں نے کئی معرکوں میں اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ کہ عربوں کے سامنے ایرانیوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ بیشک پہلے ایک ایک ایرانی دس دس عربوں پر غالب آ جاتا تھا، مگر اب تو ایک ایک مسلمان عرب دس ایرانیوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ اس لئے تم ایرانیوں سے خوف مت کھاؤ۔ اور خوشی سے اُن کے مقابلے پر جاؤ۔" یہ تقریر سُن کر حاضرین میں جوش پیدا ہو گیا۔ کیونکہ اس میں اُن کی دلیری پر دھبہ لگایا گیا تھا۔ سب سے پہلے ابو عبید ثقفی ۔ جو ایک بڑے سردار اور طائف کے باشندے تھے، نکلے اور اُنہوں نے کہا۔ کہ میں عراق جانے اور ایرانیوں کا مقابلہ کرنے پر تیار ہوں۔ اُن کو دیکھ کر اور لوگ بھی جھنڈے کے نیچے جمع ہونے شروع ہُوئے۔ جن کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ حضرت عمرؓ نے مثنیٰ سے کہا:۔

"سر دست یہ ایک ہزار آدمی تمہاری امداد کے لئے کافی ہیں۔ ضرورت پڑی، تو ایک ہزار آدمی اور بھیج دیئے جائیں گے۔" جب ایک ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ تو اُنہوں نے حضرت عمر سے کہا کہ اب قریش

میں سے یا اہل مدینہ میں سے کسی کو ہم پر امیر مقرر فرمائیں۔ مگر حضرت عمر
نے کہا "تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں سبقت کی اور اسلام کی
خدمت بجا لانے میں جرأت نہ دکھائی۔ اس لئے تم نے امارت کا حق
زائل کر دیا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جان
نثار کرنے میں پیچھے رہیں، اُن کو اُن پر جنہوں نے پیش دستی کی ترجیح
دی جائے، اس لئے میں ایسے شخص کو اُن پر امیر مقرر کروں گا
جس نے سب سے پہلے میری دعوت قبول کی ہے۔ اور اللہ کی راہ میں
جان دینے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔" یہ کہکر آپ نے ابو عبید ثقفی کو اُن پر
امیر مقرر کیا۔ اور جھنڈا اُن کے حوالے کر کے کہا: "جب یہ لوگ سامان
درست کر کے تیار ہو جائیں، تو اُن کو لے کر عراق میں جا پہنچو، لیکن
اس بات کو یاد رکھنا کہ اپنے ممتاز ہمراہیوں سے ہر بات میں مشورہ
کر لیا کرنا۔" مثنیٰ کو چونکہ فکر تھی، اس لئے ابو عبیدہ سے کہا۔ کہ میں
آگے چلتا ہوں، تم ساز و سامان درست کر کے میرے پیچھے جلد آجانا
اور خلیفہ سے اجازت لے کر مثنیٰ واپس حیرہ میں ایک ماہ کی غیر حاضری
کے بعد پہنچ گئے۔

۱۹۔ جنگِ نمارق

جب خالدؓ نے ایرانی جرنیلوں اور گورنروں کو شکست پر شکست دی اور اُن میں سے بعض جان بچا کر شکستہ حالت میں مدائن پہنچے، تو اُنہوں نے دربارِ ایران کو سخت اُکسایا اور کہا "آپ کیسی غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ یہ عرب، جو عراق پر حملہ آور ہوئے ہیں، کوئی معمولی عرب نہیں کہ آسانی سے مغلوب ہو جائیں وہ بڑے دلیر اور منچلے ہیں۔ ہمارے سپاہی اُن کے سامنے بھیڑ بکریوں کی طرح ہیں۔ وہ میدان میں شیر کی طرح جم کر کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے بہادروں کو وہ مطلق خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کا ایک ایک سپاہی ہمارے دس دس پر غالب آتا ہے۔ اُن کے سردار غیر معمولی شجاع ہیں ان عربوں میں کوئی نئی روح پھونکی گئی ہے۔ وہ ایک سیلاب کی طرح آتے ہیں جس کی رَو کسی سے رُک نہیں سکتی، بلکہ جو کچھ سامنے آتا ہے، بہا کر لے جاتی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ وہ کس بلا کے انسان ہیں اور ان میں یہ زور اور قوت کہاں سے آ گئی۔ موت سے وہ مطلق نہیں ڈرتے دشمن کی کثرت سے بالکل نہیں گھبراتے۔ حریف پر غالب آنے کی گویا اُنہوں نے قسم کھا رکھی ہے وہ اپنے بال بچے ہمراہ لائے ہیں۔

اور اس ارادے سے آئے ہیں کہ عراق کے مالک ہو کر اسی جگہ آباد ہو جائیں گے۔ وہ بڑے جری اور اولوالعزم ہیں۔ مدائن پر چڑھ آنا اُن کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر دربار نے اُن کو ایسی ہی بے اعتنائی سے دیکھا، تو وہ عنقریب مدائن پر حملہ کر دینگے۔ جب تک دربار اپنی ساری قوت اس بلا کو دفع کرنے میں خرچ نہ کرے گا تب تک یہ بلا ہمارے سر سے نہ ٹلے گی۔"

ملکۂ ایران اور اُس کے درباری سخت طیش میں آئے اور اُسی وقت تیس ہزار فوج تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب فوج ساز و سامان سے تیار ہو گئی، تو اُس پر جابان کو امیر مقرر کر کے حکم دیا گیا۔ کہ وہ حیرہ پر جا کر حملہ کرے۔ اس کے بعد ایک اور فوج تیار کر کے اُس پر شہزادۂ نرسی کو مامور کیا گیا۔ اور حکم دیا کہ نرسی اپنی فوج لے کر ڈلٹا کی طرف مقامِ کسکر پر اپنا کمپ لگائے۔ اور اس طرح ڈلٹا اور حیرہ سے اہلِ اسلام کو مار مار کر نکال دیں۔

چونکہ ابوعبید ثقفی ابھی ان کے پاس نہیں پہنچے تھے، اس لئے جب مُثنیٰ کو یہ اطلاع ملی، تو وہ اپنی فوج کو ناکافی پا کر حیرہ سے نکل کر صحرا میں چلے گئے اور وہاں ابوعُبید کا انتظار کرتے لگے۔ مُثنیٰ دلیر اور شجاع تھے۔ مگر بڑے محتاط۔ اُنہوں نے مناسب نہ سمجھا کہ کمک آنے سے پہلے وہ اپنی قلیل فوج کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں۔ مگر ابوعبید مع اپنے سپاہیوں کے ایک ماہ کے بعد

پہنچے اور تمام لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لے کر مع مثنیٰؓ کے بحرین سے آگے بڑھے۔ جابان اس عرصے میں دریائے فرات عبور کر کے مقامِ نمارق پر پہنچ گیا تھا کہ ابوعبید مع اپنے لشکر کے اُس سے دوچار ہوئے۔ اسلامی لشکر اس وقت دس ہزار سے زیادہ نہ تھا مگر اس میں بڑے جنگجو موجود تھے۔ جابان کے ہمراہ دو نامی پہلوان تھے وہ دونوں باری باری میدان میں نکلے۔ مگر دونوں عرب پہلوانوں کے ہاتھ سے قتل ہو گئے۔ آخر جابان خود میدان میں نکلا اور حریف طلب کیا۔ ایک عرب سوار اُس کے مقابلے کو نکلا، مگر جابان نے اُس کو شہید کر دیا۔ پھر دوسرا نکلا اُس کو بھی اُس نے شہید کر دیا۔ اسی طرح چار پہلوان جابان نے شہید کئے۔ آخر پانچویں پہلوان نے میدان میں آتے ہی جابان پر اس زور سے نیزہ مارا کہ جابان گھوڑے کی پُشت سے پھسل کر نیچے جا پڑا۔ عرب پہلوان نے بھی جھٹ گھوڑے سے اُتر کر اُس کی چھاتی پر چڑھ گیا۔ اور خنجر سے اُس کا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔ کہ جابان نے کہا: "میرے قتل سے تم کو کیا حاصل ہوگا؟ میں اپنے عوض تم کو دو جوان غلام اور ایک ہزار اشرفی دونگا!" عرب سوار اُس کو گرفتار کر کے کیمپ میں لے آیا۔ جابان کو گرفتار دیکھ کر ایرانی لشکر آگے بڑھا۔ اِدھر سے ابوعبیدہ اور مثنیٰؓ بھی بڑھے اور میدان میں خوب تلوار چلی۔ مگر ایرانی اپنے افسر کے گرفتار ہونے سے بے دِل ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر لڑ کر میدان سے بھاگ نکلے اور اُن کا تمام

مال و اسباب اہلِ اسلام کے ہاتھ آیا۔ ابو عبید اور مثنیٰؓ پھر حیرہ میں جا داخل ہوئے۔ جب عرب پہلوان نے جابان کو ابو عبید کے سامنے پیش کیا اور کہا: "میں نے دو غلام اور ایک ہزار اشرفی پر اس کی جان بخش دی ہے۔" تو ابو عبید نے کہا: "نادان! انہیں معلوم نہیں کہ یہ ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے؟ اگر تم اس سے سوگنا زیادہ مانگتے۔ تو وہ بخوشی تم کو دے دیتا۔" اس پر عرب پہلوان نے کہا: "میں اس کو زبان دے چکا ہوں اور وعدہ کر چکا ہوں کہ دو غلام اور ایک ہزار اشرفی پر تم کو چھوڑ دوں گا۔ اب میں اس سے زیادہ مطالبہ کرتا نہیں چاہتا اور جو کچھ عہد کر چکا ہوں، اس کا پورا پابند رہوں گا۔" جابان اس کو ایسا صادق القول دیکھ کر عش عش کر اٹھا اور کہنے لگا: "میں اپنی خوشی سے زرِ فدیہ دگنا کئے دیتا ہوں اور ساتھ ہی سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔" ابو عبید یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور جابان مسلمان ہو کر لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے۔ ابو عبیدہ جب ایرانی لشکر کا مالِ غنیمت تقسیم کرنے لگے، تو مثنیٰؓ نے ان سے کہا: "ایک اور ایرانی لشکر مقامِ کسکر پر کیمپ لگائے ہوئے ہے۔" اس پر ابو عبید نے کہا: "اس مال کو ابھی محفوظ رہنے دو۔ دوسرے لشکر کو ہزیمت دیکر پھر تقسیم کریں گے۔"

۲۰۔ جنگِ کسکر

شہزادۂ نرسی بڑے اطمینان کے ساتھ مقامِ کسکر میں کمپ لگائے ہوئے تھا۔ اور گرد و نواح کے لوگ اُس کی متابعت اور امداد کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ نرسی کا یہ ارادہ تھا۔ کہ پہلے جابان کی لشکر کشی کا نتیجہ دیکھ لے۔ اگر جابان کو فتح حاصل ہوئی، تو پھر نرسی عراق سے نکل کر سرحد پر حملہ آور ہو، اور تمام سرحدی عربوں کو سلطنتِ ایران کا فرماں بردار بنائے۔ وہ انہیں خوش کُن خیالات میں تھا کہ جابان کے بھاگے ہوئے سپاہی اُس کے پاس پہنچے۔ اور اُنہوں نے میدانِ جنگ کی کیفیت سے اُس کو آگاہ کیا۔ اِس پر نرسی نے ارادہ کیا کہ وہ لشکر لے کر جابان کا بدلہ لینے جائے۔ مگر معاً اُسی وقت ابو عبید فرات کو عبور کر کے مقامِ کسکر میں پہنچ گئے اور نرسی کے مقابل لشکر اُتار دیا۔

نرسی کے لئے اس سے زیادہ اچھی بات کوئی نہ تھی۔ کہ اس کا حریف اس کے اپنے پسندیدہ میدان میں خود چل کر آ گیا۔ اس نے بڑی قابلیت سے لشکر آراستہ کر کے میدان میں کھڑا کیا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ نرسی اور اُس کی فوج نے ہر چند ہاتھ پاؤں مارے، مگر عرب بہادروں کے سامنے اُن کی پیش نہ گئی۔ اور اہلِ عرب کے متواتر حملوں

کی تاب نہ لاکر ایرانی فوج بے دل ہوگئی۔ نرسی نے فوج کی جب یہ حالت دیکھی، تو میدان سے بھاگ نکلا۔ اور اُس کے لشکر نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اہلِ عرب نے تعاقب کرکے بہت سے ایرانی قتل کئے اور پھر مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔ ابو عبید نے از سرِ نو عراق کو مطیع کیا۔ زمینداروں کو خوف تھا۔ کہ اہلِ عرب اُن کے ساتھ بدسلوکی کریں گے اور اُن کے گاؤں اور شہر ویران کردیں گے۔ کیونکہ اُنہوں نے نرسی کے آنے پر اہلِ عرب کی اطاعت سے سرتابی کرکے نرسی کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ مگر ابو عُبید نے اُن کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا۔ اور اُن کے ساتھ بدسلوکی نہ کی۔ اس پر علاقے کے زمیندار اچھی اچھی چیزیں ابو عُبیدہ کے کھانے کے لئے لائے۔ ابو عبیدہ نے اُن سے کہا: "میں تنہا خود نہیں ہوں۔ میں کوئی چیز نہیں کھاتا جب تک کہ میرے تمام ہمراہی اس میں شریک نہ ہوں"۔ اس پر زمینداروں نے افراط سے چیزیں اکٹھی کردیں اور تمام لشکریوں نے خوب مزے سے کھائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

کسکر کے گرد و نواح میں خاص قسم کی کھجوریں پیدا ہوتی تھیں وہ ایسی لذیذ اور نفیس تھیں کہ سب کی سب شاہِ ایران اور شاہی خاندان کے کھانے کے لئے روانہ کی جاتی تھیں۔ جب شہزادہ نرسی کا کمپ لوٹا گیا۔ تو وہاں وہ خاص کھجوریں بھی پائی گئیں، جو ابھی مدائن کو ارسال نہیں کی گئی تھیں۔ ابو عبیدہ نے کھجوریں اپنے لشکریوں میں

تقسیم کیں اور کہا: "بھائیو! اللہ تعالیٰ نے تم کو شاہی کھانا عطا کیا ہے۔ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔" پھر اُنھوں نے مالِ خُمس کے ہمراہ کچھ کھجوریں خلیفۂ ثانی کی خدمت میں بھی ارسال کیں اور لکھا: "آپ دیکھیں، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ چیز کھانے کو دی ہے۔ جو اب تک صرف شاہانِ ایران کھاتے تھے۔ آپ اِن کو چکھیں اور ان کی لذّت کا اندازہ لگائیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو شاہانہ کھانے اور نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔"

۲۱- پُل کی لڑائی

جاپان اور ترملی کی شکستوں سے مدائن میں سخت گھبراہٹ پھیل گئی۔ اور ملکۂ ایران نے اپنے نامی اور ممتاز جرنیل بہمن سے کہا: "اہلِ عرب کی شوخی بڑھتی جاتی ہے۔ متواتر فتوحات سے اُن کے حوصلے زیادہ ہو گئے ہیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم خود میدان میں جاؤ۔ اور ان عربوں کو نیست و نابود کرو۔" ایران کا قومی جھنڈا یعنی درفشِ کاویانی بڑے بڑے معرکوں میں، خصوصاً جب شاہ ایران میدانِ جنگ میں جایا کرتا تھا۔ فوج کے ہمراہ بھیجا جاتا تھا اور اس کی وجہ سے ایرانی سپاہیوں میں بڑا جوش پیدا ہوتا تھا اور اُس علم کے نیچے بڑی جاں بازی کے ساتھ لڑا کرتے تھے یہ جھنڈا بھی فتحمندی کی علامت کے طور پر بہمن کے حوالے کیا گیا اور اُس سے کہا گیا: "قوم اور مُلک کی عزّت تمہارے ہاتھ میں دی جاتی ہے اب یہ تمہارا فرض ہے۔ کہ اس قومی نشان کو ذلیل نہ ہونے دو بلکہ اس کا جاہ و جلال اور زیادہ کرو۔" تین جنگجو ہاتھی بھی بہمن کے ہمراہ کئے گئے۔ اور تیس ہزار لشکر اُس کے ماتحت دے کر اُس کو رخصت کیا گیا۔ بہمن بڑا جہاں دیدہ جرنیل تھا۔ اور فوج اور دربار کو اس پر

اعتماد تھا۔ وہ بڑے کرّ و فر کے ساتھ اہل عرب کے مقابلے پر روانہ ہُوا۔ اور بابل کے قریب دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر لشکر اُتار دیا۔ ابو عبید بھی نو ہزار لشکر کے ساتھ فرات کے مغربی ساحل پر اُتر پڑے۔ کچھ دنوں تک دونوں لشکر دریا کے آرپار پڑے رہے۔ بہمن تجربہ کار جرنیل تھا۔ اس کا منشا یہ تھا۔ کہ عربی فوج دریا عبور کرے ادھر مُثنّیٰ کا منشا تھا کہ وہ عبور کرے۔ مگر لشکر کی کمان مثنّیٰ کے ہاتھ میں نہ تھی۔ لشکر کے سپہ سالار ابو عبیدؓ تھے۔ اور مُثنّیٰ اُن کے ماتحت جب کچھ دن اسی طرح گزر گئے، تو ابو عبیدہ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا:

ایرانی لشکر تو اس پار آتا نہیں، ہم کب تک اُس کا انتظار کرتے رہینگے؟ کیوں نہ ہم اُس پار جا کر ایرانیوں پر حملہ کریں"؟ مُثنّیٰ بن حارث نے کہا" اُس پار دشمن کے پسندیدہ میدان میں جا کر مقابلہ کرنا اچھا نہیں مناسب یہی ہے۔ کہ اسی جگہ انتظار کریں۔ ایرانی لشکر خود بخود تنگ آکر اس پار آئیگا اور ہم یہاں اچھی طرح اس کا مقابلہ کرسکیں گے!!

ابو عبید نے کہا:" میں زیادہ انتظار نہیں کرسکتا۔ لشکر اسلام ایک عرصے سے عراق میں وارد ہے جس قدر علاقہ خالدؓ بن ولید نے فتح کیا تھا ہم اس سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھے، آ جا کر فرات کے کناروں ہی میں محدود رہے ہیں۔ برخلاف اس کے ہمارے بھائیوں نے شام میں بڑی فتوحات حاصل کی ہیں اور خالد کی تعریفیں لوگوں کی زبان پر جاری ہیں۔ ہم کب تک اس حالت میں پڑے رہیں گے؟ میری

رائے یہ ہے کہ ہم دریا کے پار جا کر ایرانیوں کو شکست دیں اور پھر مدائن پر چڑھائی کر دیں تاکہ یہ آئے دن کی لشکر کشی موقوف ہو اور ایرانی سلطنت کا زور ٹوٹ جائے۔ میں ایرانیوں پر یہ ثابت نہیں کرنا چاہتا کہ ہم اُن سے ڈر گئے ہیں اور اُن کی کثرت سے خوف کھا کر اُن پر حملہ نہیں کرتے۔" مُثنّٰی نے کہا: "یہ ڈر کی بات نہیں، بلکہ مہارت جنگ کی بات ہے۔ ہر ایک سپہ سالار لڑائی کے لئے مفید میدان تلاش کرتا ہے ہم اس میدان کو چھوڑ کر دشمن کے میدان میں کیوں لڑنے جائیں، جہاں اس نے محفوظ مقام اپنے قبضے میں کر رکھے ہیں اور ہر طرح اپنے بچاؤ کا انتظام کر رکھا ہے؛ میری صلاح مانیے، تو اور پیچھے ہٹ جائیے۔ ایرانی لشکر خود بخود ناچار ہو کر ہمارے پیچھے پڑیگا اور ہم کھلے میدان میں اُس سے خوب مقابلہ کریں گے۔" ثابت بن قیس نے جو ایک ممتاز بدری صحابی تھے، مُثنّٰی کی رائے سے اتفاق کیا۔ دیگر سرگردہ آدمیوں نے بھی مُثنّٰی کی تائید کی۔ مگر ابو عبید نے اُن کی صلاح نہ مانی اور کہا کہ مجھ سے تو یہ برداشت نہیں ہو سکتا کہ دشمن مقابلے پر آیا ہو اور ہم یہاں بیٹھے اس کا انتظار کرتے رہیں۔ اس پر سب خاموش ہو گئے کیونکہ ابو عبید سپہ سالار تھے۔ اور اُن سے زیادہ تکرار کرنا مناسب نہ تھا۔ ابو عبیدہ نے اُسی وقت حکم دیا کہ دریا پر کشتیوں کا پُل باندھا جائے۔ جب پُل تیار ہو گیا، تو ابو عبیدہ نے لشکر کو پار جانے کا حکم دیا۔ ایرانیوں نے مزاحمت کی، مگر اہل عرب سینہ زوری سے پار ہو کر ایرانیوں

کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ گو ابو عبیدہ کے ساتھ صرف نو ہزار فوج تھی، مگر اس کے لئے بھی میدانِ جنگ وسیع نہ تھا۔ بہمن نے نیم دائرے کی شکل میں اپنا کیمپ لگا کر سامنے بہت تھوڑا میدان چھوڑا تھا اور لشکر کی اگلی صف میں ہاتھی کھڑے کر رکھے تھے۔ جب عرب سواروں نے حملہ کیا، تو ایرانیوں نے ہاتھی آگے بڑھا دیئے۔ عربی گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر منہ موڑنے لگے۔ سواروں نے ہر چند انہیں سنبھالا مگر نہ سنبھلے۔ اس پر ابو عبیدہ نے بڑھ کر کہا۔ کہ گھوڑوں سے اترو اور پا پیادہ ہاتھیوں کا مقابلہ کرو۔ بہادر عرب گھوڑے چھوڑ کر پیدل ہو گئے اور تلواریں کھینچے اور نیزے تانے ہوئے آگے بڑھے ابو عبید خود ایک خوں خوار سفید ہاتھی کی طرف بڑھے۔ پہلے تو انہوں نے اس کا تنگ کاٹ ڈالا۔ جس کی وجہ سے ہاتھی کے سوار دھم سے مع ہودے کے نیچے آ پڑے۔ پھر انہوں نے سبک دستی کر کے ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی، مگر وار کر کے ان کا پاؤں پیچھے ہٹتے ہوئے پھسل گیا اور وہ زمین پر گر پڑے۔ ہاتھی بھی گھائل ہو کر ابو عبید پر آ گرا اور اپنے بوجھ سے ابو عبید کو کچل ڈالا۔ یہ واقعہ دیکھ کر ابو عبید کے ہمراہیوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اور وہ شدت کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ اور ہاتھیوں کو مار کر پسپا کر دیا مگر معاً اسی وقت بہمن کے اشارے سے ایرانی سوار آگے بڑھے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ اہل عرب کے سات علم بردار جو سب کے سب ثقفی یعنی ابو عبید کے قریبی تھے، یکے بعد دیگرے قتل ہوئے اور لشکرِ عرب تاب نہ لا کر پسپا ہونا شروع ہوا۔ مثنیٰ نے جو لشکر کے عقب پر متعین

تھے، یہ حال دیکھا، تو دوڑ کر علم لے لیا اور لشکر کو اپنے قدموں پر ٹھہرانے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر لشکر کے اُکھڑے ہوئے پاؤں کب جم سکتے ہیں؟ اہلِ عرب میدان چھوڑ کر بے تحاشا ساحل کی طرف بڑھے ایک منچلے عرب نے دوڑ کر کشتی توڑ ڈالی اور کہا: "اے مسلمانو! کہاں بھاگے جاتے ہو۔ پل ٹوٹ گیا ہے اور تمہارے بھاگنے کی راہ کٹ گئی ہے۔ بہتر ہے کہ دریا میں غرق ہونے کے بجائے میدان میں شہید ہو جاؤ۔" مگر اُس کی سنتا کون تھا؟ مثنیٰؓ نے یہ گھبراہٹ دیکھ کر سواروں کا ایک دستہ ہمراہ لیا اور بھاگتے ہوئے سپاہیوں سے کہا: "میں ایرانیوں کو روکے رکھتا ہوں، تم پل کی مرمت کر کے آرام کے ساتھ اُس پار چلے جاؤ۔ مگر گھبراؤ نہیں۔" مثنیٰؓ بڑی جوانمردی کے ساتھ اپنے ہمراہیوں سمیت میدان میں کھڑے ہو گئے۔ اور ایرانیوں کو جانبازی کے ساتھ روکے رکھا۔ بارش کی طرح اُن پر وار پڑتے رہے۔ مگر وہ جواں مرد مضبوط چٹان کی طرح برابر میدان میں ڈٹے رہے۔ ایک سخت وار اُن پر پڑا جس نے اُن کی زرہ توڑ کر اُن کو زخمی کر دیا۔ مگر مثنیٰؓ نے کچھ پروا نہ کی اور ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے۔ اس عرصے میں عرب سپاہی با آرام پل سے گزر سکتے تھے۔ مگر وہ ایسے گھبرا گئے تھے۔ کہ دریا میں کود کود کر گرنے لگے۔ کچھ تو تیر کر کنارے جا لگے۔ مگر زیادہ تر دریا کی رو میں بہہ کر غرق ہو گئے۔ مثنیٰؓ نے اتنے میں ایرانیوں کو مار کر پیچھے ہٹا دیا اور سب سے آخر آپ پل پر سے گزر کر مغربی ساحل پر پہنچے۔ اس کے بعد

پُل توڑ دیا گیا۔

جب مُثنّیٰ نے لشکر دیکھا، تو نو ہزار میں سے صرف تین ہزار آدمی اُن کے ساتھ رہ گئے تھے، کیونکہ دو ہزار تو بھاگ کر سیدھے گھروں کو چل دیئے تھے۔ اور باقی چار ہزار میں سے کچھ میدان میں مارے گئے اور کچھ دریائے فرات کی نذر ہو گئے۔

یہ ایک ہی شکست تھی، جو لشکرِ اسلام کو شامی، مصری اور ایراقی معرکوں میں ہوئی۔ اور کسی معرکے میں لشکرِ اسلام نے میدان سے مُنہ نہیں موڑا اور ہمیشہ دُشمن پر فتح پائی۔ اگر بہمن مُثنّیٰ کا تعاقب کرتا، تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رہے سہے مسلمان بھی قتل ہو جاتے یا عراق کو خیر باد کہہ کر ریگستان میں چلے جاتے۔ مگر مشیتِ ایزدی یُوں نہیں تھی کہ ایراقی اس فتح کا پُورا فائدہ حاصل نہ کریں۔ اُسی وقت بہمن کو اطلاع ملی۔ کہ مدائن میں فساد برپا ہو گیا ہے۔ وہ اپنی فتح کو بھی غنیمت سمجھ کر مدائن کو واپس چلا گیا۔ اور مُثنّیٰ اور اُن کے ہمراہی اُس کے ہاتھ سے بچ گئے۔

مُثنّیٰ نے گرد و نواح کے قبیلوں سے نوجوان جمع کر کے اپنے لشکر میں بھرتی کر لئے اور پھر کچھ جمعیت بنالی۔ ایک عیسائی شہزادہ بنی تغلب جس کا نام انس بن ہلال تھا۔ مع اپنی قوم کے دو ہزار جوانوں کے مُثنّیٰ کے ساتھ شامل ہو گیا۔ مُثنّیٰؓ نے اس کی شکست کی خبر خلیفہ ثانی کی خدمت میں ارسال کی۔ خلیفہ ثانی نے مسلمانوں کو بُلا کر فرمایا۔ "یہ ایک ابتلا تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کو پیش آیا تا کہ وہ متواتر فتوحات

سے غرور میں نہ آجائیں اور سمجھیں کہ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس شکست کی وجہ سے تم ہرگز نہ گھبراؤ اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھ کر پھر میدان میں جاؤ۔ یقین رکھو کہ انجام کار تم کو فتح حاصل ہو گی اور اللہ تعالیٰ تم کو اس سرزمین کا مالک بنائے گا۔"

جو لوگ میدان سے بھاگ کر مدینے میں گئے تھے، وہ مارے شرم کے گھروں میں چھپے رہتے تھے۔ اور کسی کو منہ نہیں دکھاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو جب اس بات کی اطلاع ملی۔ تو آپ نے اعلان جاری کیا کہ جو شخص میدان سے بھاگ آئے ہیں۔ وہ شرم کے مارے گھروں میں چھپے نہ پھریں بلکہ اپنی غلطی کی اصلاح کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے قصور معاف کرانے کے لئے پھر میدانِ جنگ میں جائیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان نثار کر کے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کریں۔ یہ اعلان سنتے ہی سب لوگ گھروں سے نکل کر خلیفۂ ثانی کی خدمت میں آئے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو دلاسا دیا اور کہا: "اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے اور تمہارا قصور معاف کر دے گا۔ میں پھر تم کو عراق بھیجتا ہوں۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا موقع پاؤ۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اُن سب کو مع اور لوگوں کے، جو عراق میں جانا چاہتے تھے۔ جریر بن عبداللہ بجلی کی ماتحتی میں جو ایک بڑے سردار تھے، عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ اُن کے پہنچنے پر مثنیٰ کی طاقت مضبوط ہو گئی۔ اور انہوں نے پھر عراق اور تیرہ اپنا پورا تسلط جما لیا۔

۲۲۔ جنگِ بُویب

جب بہمن مظفر و منصور مدائن میں پہنچا، تو دربارِ ایران نے بڑی خوشی منائی اور بہمن کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ اُنہوں نے سمجھا کہ اہلِ عرب اِس شکست کے بعد عراق کا رُخ نہ کرینگے۔ مگر تھوڑے دن بعد اُن کو اطلاع پہنچی۔ کہ اہلِ عرب کا اور لشکر عراق میں آپہنچا ہے اور اُنہوں نے پھر عراق اور اُس کے گرد و نواح پر تسلط کر کے رعایائے ایران کو اپنا مطیع بنالیا ہے۔ اس پر دربار نے مہران بن مہرویہ ہمدانی کو اہلِ عرب کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مثنیٰؓ بھی اطلاع پا کر مع جریر کے حیرہ سے نکلے۔ اور بُویب کے میدان میں آئے۔ فرات کے مغربی ساحل پر جس کے متصل بعدازاں شہر کوفہ کی بنا رکھی گئی۔ اپنا کیمپ لگایا۔ مثنیٰؓ پہلے بھی محتاط جرنیل تھے۔ لیکن اب خلیفۂ ثانی کا اُن کو صریح حکم پہنچا تھا کہ آئندہ کبھی دریا کے مشرقی کنارے پر جنگ نہ کرنا تا کہ پسپا ہوتے وقت اہلِ اسلام کو پھر اسی مصیبت کا سامنا نہ ہو اور سپاہی دریا میں غرق نہ ہوں۔ بلکہ میدانِ جنگ ایسا تلاش کرنا کہ خدانخواستہ ہزیمت کے وقت باسانی عرب کی سرحد میں لشکر آسکے اور دشمن کی مار سے بچ سکے۔ بُویب کا میدان نہایت وسیع تھا اور ضرورت کے وقت اسلامی

لشکر بآسانی بلا کسی خطرے میں پڑنے کے ہٹ سکتا تھا۔
مثنیٰ اسی مقام پر انتظار کر رہے تھے کہ مہران اپنا لشکر لیے ہوئے فرات کے کنارے پہنچا۔ مگر وہ بہمن کی طرح محتاط جرنیل نہ تھا۔ اُس نے کمپ پہلے تو شرقی ہی ساحل پر رکھا، مگر دوسرے دن دریا پر پُل باندھ کر بُویب کے میدان میں آ پہنچا۔ مثنیٰ نے دریا سے گزرتے وقت ایرانی فوج کی بالکل مزاحمت نہ کی اور اُن کو بے تکلف میدان میں آنے دیا۔ مہران نے فوج کو آراستہ کر کے میدان میں کھڑا کیا اور اپنے لشکر کو لڑائی کے لئے سخت اشتعال دیا۔
ادھر مثنیٰ نے لشکر کو ترتیب سے میدان میں نکالا اور تمام فوج میں پھر کر اُن کو نصیحت کی کہ ایرانی گذشتہ فتح پر بڑے نازاں ہیں، اُنکے حوصلے بڑھے ہوئے ہیں، آج تم میدان سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹنا اور بہ نسبت میدان چھوڑنے کے کٹ کر مر جانا قبول کرنا۔ تمہارا فرض ہے کہ پچھلی شکست کی بدنامی کو، جو اہلِ اسلام کے نام پر عائد ہوئی ہے آج دھو ڈالو۔ اور دشمنوں کو دکھا دو۔ کہ وہ ایک اتفاقیہ لغزش تھی جو تم سے سرزد ہوئی، ورنہ تم اسلام کے نام پر جان قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اگر آج کا میدان تم نے مار لیا، تو ایرانیوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور ہم بڑھتے ہوئے اُن کے گھر تک جا پہنچیں گے پہلی تکبیر پر تم ہتھیار سیدھے کرنا، دوسری تکبیر پر حملے کے لئے تیار ہو جانا اور تیسری تکبیر پر حملہ کر دینا۔

یہ نصیحت کر کے مثنیٰؓ آپ فوج میں اپنی جگہ پر آکر کھڑے ہو گئے اور اُنہوں نے تکبیر بلند کی۔ مثنیٰؓ نے دوسری تکبیر نہ کہی تھی۔ کہ ایرانی فوج نے حملہ کر دیا۔ اسلامی لشکر نے بھی قدم اُٹھائے۔ مگر مثنیٰؓ نے اُن کو ڈانٹا اور کہا: "گھبرا کر حملہ نہ کرو۔ جمے کھڑے رہو۔ ایرانیوں کو آگے آنے دو۔ جب میں تیسری تکبیر کہوں، اُس وقت تم یکبارگی حملہ کر دینا"۔ ایرانی وسط میں پہنچے تھے۔ کہ مثنیٰؓ نے تیسری تکبیر کہی۔ اسلامی لشکر بگولے کی طرح حملہ آور ہوا۔ مگر ایرانیوں نے اُن کے حملے کو بڑے حوصلے کے ساتھ سنبھالا۔ اور خوب جم کر لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ عرب سپاہی پسپا ہونے لگے۔ مثنیٰؓ نے زور سے للکارا: "مسلمانو! آج حوصلہ نہ ہارنا اور میدان نہ چھوڑنا"۔ مگر ایرانی اُن کو برابر دباتے آ رہے تھے۔

اس پر مثنیٰؓ نے عیسائی شہزادے سے کہا: "آؤ ہم تم مل کر حملہ کریں"۔ انس بن ہلال نے مع اپنے دو ہزار جنگجو سپاہیوں کے مثنیٰؓ کے چیدہ سپاہیوں کے ساتھ حملہ کیا اور اس شدت کے ساتھ کہ ایرانی، جو اہل اسلام کو دباتے آ رہے تھے، پیچھے ہٹنے لگے۔ مگر مہران نے اپنے لشکر کو زور سے للکارا اور ایرانی پھر شدت کے ساتھ لڑنے لگے اور مسلمانوں کو ایسا دبایا کہ باوجود مثنیٰؓ، انس اور مسعود کی جان بازی کے مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ مثنیٰؓ نے پھر اُن کو پکارا: "اے مسلمانو! کہاں بھاگے جاتے ہو؟ تمہارے سردار تو جان دینے پر آمادہ ہیں اور تم میدان چھوڑے جاتے ہو۔" مسلمان پھر غیرت کھا کر پلٹے اور گھمسان کی

لڑائی شروع ہوئی۔ اتنے میں مسعودؓ، جو مُثنّیٰ کے بھائی تھے اور جان توڑ لڑائی لڑ رہے تھے، سخت زخمی ہو کر گرے۔ اُن کے گرنے پر مسلمانوں میں پھر بددلی پھیلی۔ مگر مثنّیٰؓ نے کہا: "مسلمانو! دیکھو، بہادر ایسے ہی جان دیا کرتے ہیں۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر کے بہشت کی نعمتوں کے حق دار بنتے ہیں۔ تم بھی اسی طرح میدان میں کٹ جاؤ اور نام کر جاؤ۔ خبردار! اسلامی عَلم کو شکست نہ ہو۔ یہ عَلم جس کو خدا نے بلند کیا ہے۔ دشمنوں کے سامنے ذلیل نہ ہو۔" مُثنّیٰ نے اپنے بھائی کو اُٹھا کر لشکر کے پیچھے لٹا دیا۔ اور آپ پھر دادِ شجاعت دینے لگے عیسائی شہزادہ انس بن ہلال اور اس کے ہمراہی بنی تغلب بڑی جواں مردی سے لڑتے رہے۔ آخر انس گھائل ہو کر گر پڑا۔ مثنّیٰ نے اس کو بھی اُٹھا کر اپنے بھائی کے پاس لٹا دیا۔ اور آپ پھر معرکے میں شریک ہو گئے۔ لڑائی ابھی زور پر تھی۔ بہت سے ایرانی پہلوان اجل کا لقمہ ہو چکے تھے۔ مگر مہران برابر اُن کو اُبھارے جاتا تھا اور خود میدان میں بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا۔ اتنے میں بنی تغلب کے ایک منچلے نوجوان نے پوچھا: "مجھے بتاؤ، ایرانی لشکر کا سپہ سالار کہاں ہے؟" اُس کو بتایا گیا کہ وہ ایرانی عَلم کے آگے جو پہلوان لڑ رہا ہے، وہی اُن کا سپہ سالار ہے۔ اس پر نوجوان تغلبی اپنی صفیں چیر کر آگے بڑھا اور جاتے ہی مہران پر لپک کر اس شدت کا وار کیا کہ مہران گھائل ہو کر گھوڑے سے گر گیا۔ جوان تغلبی اپنے گھوڑے سے اُچھل کر مہران کے گھوڑے پر جا

بیٹھا اور زور سے پکارا: "میں بنی تغلب کا لڑکا ہوں اور میں نے ایرانی امیر کو قتل کیا ہے" مہران کے قتل ہونے پر ایرانی فوج کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور وہ بے دل ہو کر پسپا ہونے لگے۔ مثنیٰ اور اُن کے ہمراہی اُن کے پیچھے پڑے۔ کسی منچلے عرب نے ہوا کی طرح گھوڑا دوڑا کر اور دریا کے کنارے پر پہنچ کر پل کاٹ دیا۔ جب ایرانی پیچھے ہٹتے ہوئے پل تک پہنچے، تو پل کٹا ہوا پایا۔ وہ اپنی جان سے مایوس ہو کر پھر پلٹے اور خطرناک مقابلہ کیا۔ اہل عرب نے اُن کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا، مگر عرب کے بھی دو ہزار سپاہی کام آئے، لڑائی رات تک جاری رہی یہاں تک کہ تمام ایرانی فوج ڈھیر ہو گئی شاید ہی کوئی ان میں سے بچ کر نکل گیا ہو۔ ورنہ سب کے سب بڑی ہمت اور جوانمردی کے ساتھ لڑتے ہوئے میدان میں قتل ہو گئے۔ مثنیٰ نے پل کے توڑے جانے پر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا: "دشمن کے بھاگنے کا راستہ کاٹنا نہیں چاہیئے، اگر اُن کو راستہ مل جاتا، تو وہ بھاگ کر نکل جاتے اور مایوس ہو کر ہم سے نہ اُلجھتے اور ہمارے اتنے ہزار آدمی کام نہ آتے"۔ اس میدان میں اس کثرت سے ایرانی مارے گئے (ایک ایک عرب نے کم از کم دس دس ایرانی قتل کئے تھے) کہ ایک عرصہ دراز تک وہاں ہڈیوں کے ڈھیر نظر آتے رہے اور کوفے کے باشندے آتے جاتے اُن کو دیکھ کر حیران ہوا کرتے تھے۔

فتح کے بعد مثنیٰ نے اپنے بھائی اور عیسائی شہزادے کی لاشوں پر

کھڑے ہو کر کہا: "مجھے ان کی موت کا سخت صدمہ پہنچا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی میرا دل یہ خوشی محسوس کرتا ہے کہ انہوں نے بڑی بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کی اور اپنی جانیں اپنی قوم پر نثار کر دیں اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔" اس کے بعد مالِ غنیمت جمع کیا گیا۔ بیشمار غلّہ، مویشی اور نقد اُن کے ہاتھ آیا۔ مثنیٰؓ نے اس لڑائی میں یہ احتیاط بھی کر لی تھی کہ لشکر کے عیال و اطفال کو مع خالنوسامان کے میدان سے دُور فاصلے پر بھیج دیا تھا۔ جب ایک دستہ فوج غلّہ اور مال مویشی لے کر عورتوں کے کیمپ کی طرف گیا، تو عرب عورتیں دور سے اُن کو دُشمن خیال کر کے مسلّح ہو کر صف میں کھڑی ہو گئیں اور دشمن سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئیں۔ مگر افسر فوج نے آگے بڑھ کر اُن کو فتح کی مبارک باد دی۔ اور کہا: "بیشک بہادروں کی عورتیں ایسی ہی بہادر ہونی چاہئیں کہ اپنی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو جائیں۔ لو یہ غلّہ اور مال تمہارے لئے امیرِ لشکر نے بھیجا ہے۔ خوب کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔"

مثنیٰؓ نے فوج کے دستے تجویز کر کے فرات کے پار مشرقی جزیرے میں مختلف شہروں میں بھیجے اور اس طرح دجلے اور فرات کے درمیانی علاقے پر بھی اہلِ اسلام کا قبضہ ہو گیا۔

اُخوتِ اسلامیہ

شُد اسیرِ مسلمے اندر نبرد | قائدے از قائدانِ یزدجرد
گبر یاراں دیدہ و عیّار بُود | حیلہ جُو و پُرفن و مکّار بُود
از مقامِ خود خبردارش نہ کرد | ہم ز نامِ خود خبردارش نہ کرد
گفت: "میخواہم کہ جاں بخشی مرا | چُوں مُسلماناں اماں بخشی مرا"
کرد مسلم تیغ را اندر نیام | گفت: "خُونت ریختن بر من حرام"
چوں درفشِ کاویانی چاک شُد | آتشِ اولادِ ساساں خاک شُد
آشکارا شد کہ جاباں است اُو | میرِ سربازانِ ایران است اُو
قتلِ اُو از میرِ عسکر خواستند | از فریبِ او سخن آراستند
بُوعُبَیدؓ آں سیدِ فوجِ حجاز | در وغا عزمش ز لشکر بے نیاز
گفت: "اے یاراں! مسلمانیم ما | تارِ چنگیم و یک آہنگیم ما
نعرۂ حیدرؓ نوائے بُوذرؓ است | گرچہ از حلقِ بلالؓ و قنبرؓ است
ہر یکے از ما امینِ ملّت است | صلح و کینش صلح و کینِ ملّت است
ملّت ار گردد اساسِ جانِ فرد | عہدِ ملّت می شود پیمانِ فرد
گرچہ جاباں دشمنِ مابودہ است | مُسلمے اُو را اماں بخشودہ است

خُونِ او، اے معشرِ خیرُ الانام!
بر دمِ تیغِ مُسلماناں حرام"

(رموزِ بیخودی) "اقبالؔ"

تاریخِ اسلام

جلد ۳



Abdul

فصیح